جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کا علمی، دینی، ادبی ترجمان

ماہنامہ

محدثِ عصر

بانی

فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری رحمہ اللہ

مدیر

سید احمد خضر شاہ مسعودی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار: محدثِ عصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کا علمی، دینی، ادبی ترجمان

ماہنامہ

محدثِ عصر

مئی رجون ۲۰۱۸ء جلد نمبر ۱۹، شمارہ نمبر ۹ سلسلہ ۱۸۴

اشتراک وتعاون

اندرون ملک:
فی شمارہ-/15 سالانہ-/150
خصوصی-/1000
تاحیات -/10000

بیرون ملک:
سالانہ:20امریکی ڈالر
خصوصی:100امریکی ڈالر
تاحیات:500امریکی ڈالر

شائع کردہ

جامعۃ الامام محمد انور شاہ دیوبند

عقب عیدگاہ، دیوبند247554(یوپی)

فون آفس:01336-220471 فون وفیکس (مدیر) 01336-222471-223371

موبائل (مدیر): 08006075484

ای۔میل: ahmadanzarshah@gmail.com

ورق در ورق

❁ ………… ❁ ………… ❁

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

عصریات

❖سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری

تہذیب وشرافت اور اقدار ومروت کا نام اب تو بھول ہی جایئے۔ وہ وقت پیچھے اور بہت پیچھے جا چکا۔ انسانیت فراموش کردہ داستانوں میں تبدیل ہو چکی۔ تہذیب وشرافت کی جگہ اب درندگی، جب کہ اقدار و مروت کی جگہ ابن الوقتی اور شیطنت نے لے لی ہے۔ فضا زہر آلود ہو چکی۔ ہوا لو برسا رہی ہے۔ آدمیت محض ایک کھوکھلا لفظ رہ گئی۔ معنی سے محروم۔ افادیت سے خالی۔ وہ ملک جہاں امن کی پھلواریاں تھیں، جہاں یکجہتی کے آبشار بہتے تھے، اب بدامنی کے خارزار اور خونِ آدم سے لالہ زار ہے۔ زنا جیسی قبیح معصیت بھی اب یہاں رواج پا چکی۔ حالیہ چند ماہ میں کشمیر کے کٹھوعہ اور یوپی کے اُناؤ میں جو کچھ ہوا، اس سے انسانیت شرمسار ہے۔ آنکھوں پر یقین ہی نہیں آ رہا کہ یہی وہ ہندوستان ہے جسے ہم دیکھتے آئے۔ ماتم بھی کیجئے تو کیوں کر۔ الفاظ ہی عنقاء ہیں۔ آٹھ سالہ بچی کا اغوا کیا گیا۔ اس کے ساتھ زنا بالجبر جیسی گھناؤنی واردات انجام دی گئی، بھوکا اور پیاسا رکھ کر، مسلسل نشہ دے کر، وہ بھی پورے ایک گروپ کی معیت میں۔ اور تو اور، خود تحقیقاتی ٹیم کا افسر بھی اس شرمناک جرم میں ملوث۔ کہاں تک بیان کیا جائے اور کن تعبیرات میں۔

قصہ ساڑھے تین ماہ پرانا ہے مگر ابھر کر اب آیا۔ ۱۰رجنوری کی شام کو ایک آٹھ سالہ مسلم لڑکی کا اغوا کیا گیا۔ تلاشِ بسیار کے بعد بھی وہ نہ مل سکی تو اس کے والد نے ۱۲رجنوری کو پولیس اسٹیشن میں شکایت کر دی۔ پولیس ادھر تحقیقات میں لگی اور دوسری طرف اسی ٹیم کا افسر اغوا کاروں سے مل گیا۔ ۱۵رجنوری تک معصومہ کے ساتھ حیوانیت جاری رہی۔ اس قضیے میں کل ۸رافراد شریک جرم رہے۔ ریٹائرڈ افسر بھی اور تحقیقاتی ٹیم کا حالیہ رکن بھی۔ درندگی کی داستان یہیں تمام نہیں ہوئی بلکہ انہوں نے پتھر سے سر کچل کر اس کا قتل بھی کر دیا۔ ۱۷رجنوری کو اس کی لاش جنگل سے برآمد ہوئی۔ ایک معصوم بچی اور اس کے ساتھ ایسی حرکتیں!!! غیر انسانی فعل انجام دینے والوں نے ڈیڑھ لاکھ روپئے کی رشوت بھی دی۔ افسوس تو اس کا ہے

کہ اس گھناؤنے واقعے پر بجائے اس کے یہ جرائم پیشوں کو کیفر کردار تک پہنچانے کی کوشش کی جاتی ،نفرت پسند عناصر نے ان کی حمایت میں ''ترنگا یاترا'' نکال دی۔ اس پر بھی ستم یہ کہ کرائم برانچ نے ان رذیل درندوں کے خلاف فرد جرم عائد کرنے کے لئے عدالت کا رخ کیا تو وکلاء کی ٹیم نے اس کی راہ میں روڑے اٹکا دئے۔ کیا مجروں کو سزا دلانا بھی اس ملک میں جرم ہو گیا؟ طبعی رذالت تو دیکھئے کہ اس معصومہ کی طرف سے جو وکیل کھڑی ہوئی، اسے بھی دھمکایا جانے لگا۔ اور دھمکانے والا بھی کوئی عام شہری نہیں بلکہ جموں بار ایسوسی ایشن کا صدر۔ یعنی وکلاء کی تنظیم۔ اس سے بھی زیادہ حیرت ناک یہ کہ جموں کشمیر حکومت کے دو بھاجپائی وزراء نے بھی زانیوں کو تقویت پہنچائی، جس پر محبوبہ مفتی کو استعفیٰ لینا پڑا۔

اناؤ کا قصہ بھی اسی سے ملتا جلتا ہے، عبرت خیز اور وحشیانہ۔ ایک ۱۸ رسالہ لڑکی کے ساتھ اجتماعی آبروریزی کی گئی۔ اس غیر انسانی قضیے میں بھی زعفرانی قائدین کے نام آرہے ہیں۔ خود ممبر اسمبلی کلدیپ سینگر اور اس کا بھائی اس متعفن کارستانی میں شامل یہ دونوں اس وقت پولیس حراست میں ہیں اور معاملہ سپریم کورٹ میں۔ حیران کن تو یہ کہ ممبر اسمبلی کی گرفتاری ۲۶۰ ردنوں کے بعد عمل میں آئی۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ بڑی مچھلیوں کا شکار آج بھی تر نوالہ نہیں۔ دوہری مصیبت یہ کہ لڑکی کے والد نے قانونی چارہ جوئی کی تو اس کی اشک شوئی کے بجائے اسے ہی جیل بھیج دیا گیا۔ بیٹی کا صدمہ ہی کیا کم تھا، اب وہ خود عقوبت خانے کی تنہائیوں میں پہنچ گیا۔ مزید برآں یہ کہ جیل عملہ نے اتنا مارا کہ اس کی بڑی آنت پھٹ گئی اور وہ جاں بر نہ ہو سکا۔

ان دونوں معاملات نے ملک کی غیرت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ یوپی ہی کیا، پوری ارضِ وطن ہی سراپا احتجاج بن گئی۔ میدانِ سیاست ہی کیا، دوسرے شعبے بھی ان مظالم کے خلاف ہم آواز ہو گئے۔ ملک ہی نہیں، بیرون ہند سے احتجاج کی خبریں موصول ہوتی رہیں، بیرون سے ان کے خلاف کارروائی کے خطوط بھی آئے، قضیے میں بی جے پی رہنماؤں کی شمولیت نے حکومت کی نیند مزید حرام کر دی۔ چوطرفہ دباؤ اور لگاتار بغاوت کے بعد وہی ہوا جسے بہت پہلے ہونا چاہئے تھا۔ مرکز کو بالآخر جاگنا پڑا۔

عوام کے سخت احتجاج اور شدید اظہارِ غضب کے بعد حکومت کی طرف سے آرڈی نینس لایا گیا، جس میں مجرموں کے حساب سے سزاؤں کی درجہ بندی ہے۔ ضابطہ فوجداری میں ترمیم کے بعد ۱۲ رسال سے کم عمر کی بچیوں کے ساتھ غیر انسانی سلوک کے مجرم کو ۲۰ رسال یا عمر قید کی سزا سنائی جائے گی۔ ضرورت

بڑی تو پھانسی بھی۔ ۱۶؍سال سے کم عمر کی لڑکی کے ملزم کو تاحیات قید، جب کہ ۲۰؍سال یا اس سے زیادہ عمر کی لڑکی کے ساتھ زنا بالجبر کے مرتکب کو دس سال یا عمر قید کی سزا ملے گی۔ ان کے ساتھ ہی عدالت کو یہ ہدایت بھی ہے کہ دو ماہ کے اندر ہی اس کی سماعت مکمل کرلے۔ آرڈی نینس جاری ہو چکا، صدر جمہوریہ ہند نے بھی اس پر مہر تصدیق ثبت کردی۔

ملک میں زنا کے بڑھتے واقعات نے باشندگانِ ہند کی تشویش بڑھادی ہے۔ زنا بالرضا کا تو پوچھنا ہی کیا، زنا بالجبر بھی اس قدر عام ہے کہ حیا منہ چھپالے۔ ایسے وقت میں جب کہ حکومت ''بیٹی پڑھاؤ، بیٹی بچاؤ'' کے نعرے لگارہی ہے، اس طرح کے سانحے بے حد اذیت رساں اور تشویشناک ہیں۔ اگر یہی صورتِ حال رہی تو اسکولوں اور کالجوں میں لڑکیاں کس طرح جائیں گی؟ ان کا تحفظ کس طرح ہوگا اور ان کی ترقی کا خواب کس طرح شرمندۂ تعبیر ہوگا؟

حکومت کی طرف سے اب تو قانون آچکا۔ امید تو یہی ہے کہ اس طرح کے واقعات پر اب قدغن لگے گی۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ عفت وعصمت اللہ کی دی ہوئی ایک ایسی نعمت ہے جس کے بغیر زندگی نمونۂ جہنم ہے۔

❁ .... ❁ .... ❁

ہندوستان کا عدلیہ نظام اپنی انصاف پسندی اور شفافیت کی بنا پر اپنی ایک شاندار تاریخ رکھتا ہے۔ عوام کسی مسئلے میں جب ہر طرف سے مایوس ہوجائیں تو عدلیہ ہی ان کی امیدوں کا آخری اور مضبوط سہارا ہے۔ کتنے ہی فریاد کنندہ اسی آخری سہارے کے باعث انصاف پاسکے۔ لاتعداد ملزمین جیلوں سے نکلے۔ بے شمار مجرمین اپنے انجام کو پہنچے۔ رام رہیم کا مسئلہ ہو یا آسارام باپو کا، آج اسی عدالتی نظام کی آئینہ کرداری کے طفیل ہی سلاخوں کے پیچھے ہیں۔ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد دہشت گردی کے عنوان پر عقوبت خانوں میں بلاوجہ قید تھی، ذرائع ابلاغ اور منفی نامہ نگاروں کے طفیل فضا کچھ ایسی بن گئی تھی کہ ان کی رہائی کی بظاہر کوئی راہ نہیں تھی۔ متعدد ایسے تھے جنہیں نچلی عدالتوں نے سزائے موت تک سنادی تھی مگر پھر اونچی عدالت نے انہیں بے قصور ٹھہرا کر آزادی کے پروانے تھمادیئے۔ عدلیہ کو جمہوریت کا ستونِ اعظم بھی کہا جاتا ہے۔

لیکن ادھر کچھ عرصہ سے عدلیہ پر بھی آزمائشوں کا دور ہے۔ موقع بہ موقع اس پر الزامات لگ رہے ہیں۔ الزامات بھی ہلکے پھلکے نہیں، بلکہ بے حد سنگین اور شدید ترین۔ ۱۲؍جنوری کو عدالتِ عظمٰی کے چار ججوں نے پریس کانفرنس کرکے عدلیہ کی شفافیت پر سوال اٹھائے تھے۔ یہ اپنی نوعیت کا اولین اور محیر العقول قصہ

تھا۔ انہوں نے ذرائع ابلاغ کے سامنے صاف صاف کہا تھا کہ جمہوریت خطرے میں ہے۔ یہ جج چیف جسٹس دیپک مشرا کے رویے سے ناراض تھے۔ خبر دو چار دنوں کافی گرم رہی اور پھر خاموش۔ لوگ یہی سمجھے کہ اونٹ کسی کروٹ بیٹھ چکا ہے مگر یہ دیوانے کا خواب نکلا، یہ خاموشی طوفان سے پہلے کی خاموشی ثابت ہوئی۔ سپریم کورٹ کے دو ججوں کورین جوزف اور چیلمیشور نے ۱۲/اپریل کو دیپک مشرا کے نام خط لکھ کر ہنگامے کا ایک نیا پٹارہ کھول دیا۔ انہوں نے الزام لگا دیا کہ عدالتِ عظمیٰ اور عدالتِ عالیہ میں ضرورت کے باوجود ججوں کی تقرری اٹکائی جارہی ہے اور حکومت بلاوجہ اس میں دخیل ہے۔ انہوں نے ہندوستان کے چیف جسٹس کے نام مکتوب میں انتباہ بھی دیا کہ کالوجیم کی سفارش کے باوجود اگر ملک کا سپریم کورٹ ایک سینئر وکیل اور ایک جج کی ترقی کے سلسلے میں کوئی رائے نہیں دیتا تو سمجھ لینا چاہئے کہ سپریم کورٹ کا وجود خطرے میں ہے۔ تاریخ ہمیں معاف نہیں کرے گی۔ اگر حکومت اس سفارش کو نظر انداز کرتی ہے تو کیا ہوا، چیف جسٹس خود کھڑے ہوں اور عدالتِ عظمیٰ (سپریم کورٹ) کے ساتھ سنیئر ججوں کی بینچ قائم کر کے ان دونوں کا مسئلہ حل کریں۔

ان ہنگاموں کے بعد سیاست کو حرکت میں آنا تھا اور وہ آئی۔ کانگریس کی قیادت میں ۷/اپوزیشن پارٹیوں نے چیف جسٹس دیپک مشرا کی برخواستگی کا مطالبہ کر ڈالا۔ حزب اختلاف نے راجیہ سبھا کے چیرمین ایم وینکیا نائیڈو کے نام خط لکھ کر تحریک مواخذہ کی تجویز پیش کردی۔ یہ قصہ بھی ملک کی تاریخ میں پہلی بار ہوا۔ یہ تحریک عجائباتِ روزگار میں سے ہے۔ بڑی پر پیچ اور صبر آزما تھوں پر مشتمل۔ تعقیدات کا عجیب وغریب مرقع۔ اس تحریک کی کامیابی کے لئے لوک سبھا کے کم از کم ۱۰۰/اور راجیہ سبھا کے کم از کم ۵۰/ممبران درکار ہوتے ہیں۔ اس کا دونوں جگہ کامیاب ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر یہ تجویز لوک سبھا کے صدر یا راجیہ سبھا کے صدر نے منظور کر لی تو اس کے ذمے ایک سہ رکنی کمیٹی کی تشکیل ہوگی، جس میں سپریم کورٹ کا کوئی جج، ہائی کورٹ کا چیف جسٹس اور کوئی معروف قانون داں اس کے ممبران ہوں گے۔ یہ کمیٹی ملزم جج کی جانچ اور الزامات بھی طے کرے گی۔ ملزم کے ذمے اس کی وضاحت ہے۔ اگر الزامات درست نکلے تو قانون ساز مجلس کے جس ایوان نے تجویز پیش کی تھی وہ اسے آگے بڑھائے گی۔ اس پر یہ مجلس بحث کرے گی۔ اپنے دفاع کے لئے ملزم یا اس کا نمائندہ موجود ہوگا، پھر ان ممبران کی رائے دہی ہوگی۔ اگر دو تہائی ممبران نے تجویز مواخذہ کی حمایت کر دی تو اس کو منظوری مل جائے گی، پھر یہی عمل دوسرے ایوان میں بھی دہرایا جائے گا، وہاں کامیابی کی صورت میں ایوان کے صدر کو پیغام بھیج کر جج کو عہدے سے ہٹانے کی درخواست کی جائے گی۔

یہ ہے ایک جج کی برطرفی کے لئے مواخذہ تجویز کا عمل۔ اسی سے سمجھا جا سکتا ہے کہ کسی جج کو ہٹانا کوہ کندن وکاہ برآوردن ہے۔ حیرت انگیز بات یہ کہ اپوزیشن کے پاس صرف ۷۰/ارکان تھے، اس کے باوجود مواخذہ تجویز!! ہے نا حیرت ناک! قابل غور یہ بھی ہے کہ اس تحریک کی حمایت خود کانگریس کے بعض ممتاز ارکانِ پارلیمنٹ نے بھی نہیں کی تھی۔ نتیجہ جو آنا تھا، ظاہر ہے۔ مواخذہ تجویز منہ کے بل گر پڑی۔ راجیہ سبھا چیرمین ایم وینکیا نائیڈو نے اسے مسترد ہی کر ڈالا۔ تجویز کی ناکامی کے بعد اپوزیشن اب سپریم کورٹ جانے کی بات کر رہا ہے۔ جب کہ عدالت عظمیٰ کے دو سینئر ججوں جسٹس رنجن گوگوئی اور جسٹس مدن لوکر نے چیف جسٹس دیپک مشرا کو خط لکھ کر کہا ہے کہ آئینی ادارہ جاتی معاملات پر بات چیت کے لئے فل کورٹ بینچ بلائی جائے۔ دیکھئے آگے آگے کیا ہو۔

اس پر پیچ اور دراز نفس قضیہ سے واضح ہے کہ نظامِ عدل کی شفافیت کتنی کہرآلود ہو چکی ہے۔ ملک کا ہر شہری آرزومند ہے کہ عدلیہ کا یہ بحران جلد از جلد ختم ہو۔

❀ .... ❀ .... ❀

وقت اس سرعت سے گذر رہا ہے کہ ہفتوں، مہینوں بلکہ سالوں گزرتے بھی دیر نہیں لگتی۔ احادیث میں وقت کی اس صبا رفتاری کی طرف نشان دہی بھی کی گئی ہے۔ سبھی جانتے ہیں کہ مدارس کا تعلیمی سال شوال سے شروع ہوتا ہے اور شعبان پر ختم۔ یہ سال کل دس ماہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ شعبان کے بعد پھر رمضان کے مقدس ایام اور بابرکت ساعتیں۔ یہ دس ماہ کا وقت کس طرح گزرا، پتہ ہی نہیں چلا۔ دیکھتے ہی دیکھتے شعبان بھی گذر جائے گا، پھر ہم ایک نئے ماہ کے استقبال کے لئے دیدہ و دل فرش راہ کریں گے۔

رمضان کا مہینہ اپنی پوری تنویر و تقدیس کے ساتھ جلوہ فگن ہونے کو ہے۔ پھر جلد ہی وہ روزِ سعید بھی آ جائے گا، جس کا آفتاب غروب ہوتے ہی آمدِ رمضان کا اعلان ہو جائے گا۔ یہ بڑا ہی عجیب وغریب مہینہ ہے۔ ادھر اس کی آمد ہوئی اور ادھر سعادت مندوں کی باچھیں کھل گئیں۔ پھر تو صبح تا شام ایک سماں۔ تلاوت، نوافل، تسبیحات وتہلیلات۔ طبیعت یکسر بدل گئی۔ کہاں تو ذوقِ گناہ عروج پر تھا اور اب یہ عالم کہ نفس کشی کا جذبہ ساتویں آسمان پر۔ نیکیوں کی ایسی بہار کہ ساری بہاریں اس پر نثار۔ عام دنوں میں جسے زباں بندی کا دستور بھی نہ روک سکا، اس ماہ میں اس کے لب بے تکلف سل گئے۔ نہ غیبت، نہ عیب جوئی، بلکہ بڑی حد تک خموشی۔ زبان کلماتِ خیر سے تر، تو دل خیر سگالی کے جذبے سے معمور۔ اٹھتے بیٹھتے ایک خاص کیفیت میں۔ یہ رمضان کا سحر اور اس کی تاثیر ہے۔ بارہ مہینوں میں اس کی کوئی نظیر نہیں۔ مبدأ فیاض کی

طرف سے ایک ایک طاعت پر ثوابوں کے بڑے بڑے وعدے۔اس ماہ کی فضیلتیں اتنی کہ شمار سے باہر۔ قرآن نے اس کا مقام بیان کرنا چاہا تو نزولِ قرآن کے ذریعے اس کی عظمت واضح کی؛ رمضان وہ عظیم مہینہ ہے، جس میں اللہ کی آخری کتاب اتری۔ فاطرِ ہستی نے اس ماہ میں شبِ قدر بھی رکھی، مگر آخری عشرے میں اسے بھی چھپا دیا تاکہ طالبین کی اشتیاق کی انتہاء دیکھیں۔ یہ شبِ قدر کیا ہے، خود باری تعالیٰ سے سنیے : **لیلة القدر خیر من الف شهر** . ایک شب ایک ہزار مہینے سے بہتر ہے۔ کتنا بہتر ہے یہ بھی کھولا نہیں گیا۔ کتنے خوش نصیب ہیں وہ بندے جنہیں اس ماہ کی عظمتوں کا ادراک اور اس کی حرمتوں کا پاس ہے اور کتنے مزے میں ہیں وہ مومن جو اس کی برکات سے لطف اندوز ہوں گے۔ نفس کا علاج کرنے کا اس سے اچھا موسم نہیں آیا۔ رمضان کی وضع ہی تقویٰ کے لیے ہوئی ہے۔ روزے، فرض نمازیں، تراویح اور تلاوتیں نفس کشی ہی کے لیے تو ہیں۔ اس ماہ کا کس درجہ احترام تھا اسے سمجھنا ہو تو پیغمبر ﷺ کا عمل دیکھ لیجیے۔ کمر کس کر خود کو اس کے لیے فارغ کر لیتے۔ لہٰذا رمضان آ رہا ہے تو اس کا پر جوش خیر مقدم کیجیے۔ سنن، نوافل، تلاوت، صدقہ، خیرات کے لیے آپ بھی اپنے آپ کو فارغ کر لیجیے۔ اس ماہ کی اصل عبادت روزہ ہے، اسے خوب اہتمام سے رکھیے۔ روزہ شکن چیزوں سے بچنے کے ساتھ ان باتوں سے بھی پرہیز کیجیے، جن سے روزے کا کوئی ثواب نہیں ملتا۔ روزے میں تھوڑی تکلیف ہو تو ہنس کر برداشت کیجیے۔ تھوڑے نفع کے لیے ہم کیا کیا نہیں کرتے، یہاں تو منافعِ عظیم کا وعدہ ہے، ان کے حصول کے لیے اتنی مشقتوں کا کیا معنی۔ اگر آپ نے خوش دلی اور خندہ پیشانی سے اس کے خیر و برکات سے فائدہ اٹھالیا تو آپ مومنِ کامل ہیں اور آپ ہی جیسے لوگوں کو صلے میں خود خدا ملیں گے۔

❁ .... ❁ .... ❁

2017 سے ممتاز اہلِ علم کے اٹھ جانے کا جو طویل سلسلہ شروع ہوا، وہ ہنوز جاری ہے۔ ابھی چند ماہ پیش تر ہی متکلمِ اسلام حضرت مولانا محمد اسلم قاسمیؒ کی جدائی کا غم برداشت کیا تھا کہ اچانک اسی گھر سے ایسی ہی وحشت اثر خبر سماعت سے ٹکرا گئی۔ خدا ہی جانتا ہے کہ خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحبؒ کے جاں کاہ حادثے کی خبر کس دل سے سنی گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت خطیب الاسلامؒ کی رحلت کا اثر طبیعت پر اس درجہ ہے کہ یارائے بیاں نہیں۔ والدِ مرحوم فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ مسعودی کشمیریؒ کی وفات کے بعد میرے لیے ماویٰ و ملجا وہی تھے۔ ان کی ذات ہر درد کا درماں اور ہر رنج کا دفعیہ تھی۔ ان سے ملاقات کر لیتا تو طبیعت آسودہ ہو

جاتی۔ میں خوش قسمت ہوں کہ بچپن سے ہی ان کی شفقتوں کے مزے لوٹتا رہا۔ ان کی بزرگانہ اداؤں کا سنِ شعور سے ہی مشاہدے کرتا رہا۔ میرے جدِ مکرم امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے زمانے سے محبت والفت کے جس رشتے کی بسم اللہ ہوئی وہ گزرتے وقت کے ساتھ ہنوز شباب پر ہے۔ خدا نظرِ بد سے بچائے۔ جدِ مکرم کو تو میں نے نہیں دیکھا، ہاں والدِ مرحوم کے سایۂ عاطفت میں زندگی کے بیش بہا لمحے کافی گزارے، **فللّٰہ الحمد و المنة**. سنِ شعور میں قدم رکھا تو حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیبؒ اور والدِ مرحوم کا ایک دوسرے سے قرب دیکھا۔ یک جان دو قالب۔ باہم شیر وشکر۔ دونوں ہی احترامِ باہم کے قائل۔ اور دونوں ہی روایتی مراسم سے لدے پھندے۔ حضرت حکیم الاسلامؒ میرے دادا کے شاگرد تھے۔ انہوں نے اس رشتے کا اس قدر پاس رکھا کہ اپنے استاذ زادہ کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور مجھ جیسے ہیچ میرزوں پر بھی عنایات کی پھوار کرتے۔ دارالعلوم دیوبند کا مشہورِ زمانہ قضیہ نامرضیہ پیش آیا اور اس کے نتیجے میں صدمات کی آندھیاں چلیں، تو ان کی دل بستگی کے لیے جو افراد جمع تھے، ان میں والدِ مرحوم سب میں نمایاں تھے۔ انہیں کے اصرار پر جامع مسجد میں دارالعلوم وقف شروع کیا گیا۔ حضرت حکیم الاسلامؒ کے بعد والدِ مرحوم کے سب سے بڑے رفیق وہی تھے۔ آج سے دس سال قبل ان کی وفات کا سانحہ سامنے آیا تو مولانا تڑپ گئے۔ اور اخیر تک انہیں یاد کرکے روتے رہے۔ وہ ملت کے بڑے ہمدرد، امت کے نمایاں غمگسار اور قوم کے لیے خلوتوں میں رونے والے فرشتے تھے۔ دیوبندیت کا ان سے بہتر ترجمان اس عہد میں کوئی نہیں تھا۔ علم وفن میں ان کی مہارت تو ہر کسی کو مسلم تھی، خاص بات تو یہ کہ شرافت و مروت میں بھی ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ اسلاف کی شان دار روایات ان کا طرۂ امتیاز تھیں۔ ان کے انتقال کے بعد اب ہیبت ناک سناٹا ہے۔ اب آنکھیں ان کے دیدار کو ترسیں گی۔ بالآخر وہ ہستی ہمارے درمیان سے اٹھ کر گورستان میں پہونچ ہی گئی جس کو دیکھ کر اکابر کی یادیں تازہ ہو جاتیں۔ اللہ اس مردِ مومن کی مغفرت فرمائے اور اعلیٰ علیین میں انہیں مقام عطا کرے۔

❀ .... ❀ .... ❀

(قسط:۸)

ذٰلِكَ الْكِتاب

فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ صاحب کشمیری نور اللہ مرقدہ

آپ نے نحو میر میں پڑھا ہوگا: ''زیرا کہ تصغیر اسماء را باصلِ خود می برد'' یعنی تصغیر کسی چیز کی حقیقت کے انکشاف کا بہتر ذریعہ ہے، قاضی جی اسی ہتھیار سے کام لیتے ہوئے اسم کے ناقص ہونے پر مزید دلیل اس کی تصغیر بھی پیش کرتے ہیں جو سُمَیٌّ ہے۔ مثال ہونے کی صورت میں تصغیر وُسَیْمٌ آنی چاہئے تھی جو نہیں آئی، مستزاد مجہول کا صیغہ سُمِّیَتْ آتا ہے، نہ کہ وُسِّمَتْ. مزید برآں شاعر نے سُمیً اسم میں ایک لغت استعمال کیا ہے یہ سمی خود ناقص ہے اور اس کی دلیل ہے یہ کہ اسم بھی ناقص ہے۔ یہ شعر علامہ تفتازانی کا مدحیہ شعر ہے، جس میں ممدوح کے متعلق یہ اظہار خیال کیا ہے کہ اس کا نام ''مبارک'' ہے۔ جس طرح نام منفرد اور مبارک ہے، ممدوح اپنی ذات میں بھی انفرادیت و برکات کا حامل ہے، حدیث میں ہے کہ اسماء آسمان سے اترتے ہیں، اور نام رکھنے والے کے قلب میں الہام کئے جاتے ہیں، اس حدیث کے پیش نظر شاعر کے ممدوح کا نام منجانب اللہ منتخب ہے۔ غرضیکہ قاضی بیضاوی کے تمام دلائل کا حاصل یہ نکلا کہ اسم ناقص ہے نہ کہ مثال۔

کوفیین کہتے ہیں کہ آپ کے یہ دلائل زیادہ کارآمد نہیں، چونکہ ابھی اس کا امکان ہے کہ قلب سے کام لیا گیا ہو (قلب کا مطلب کلمہ میں تقدیم وتاخیر ہے) تو ہوسکتا ہے کہ اصل میں ''اوسام'' تھا مگر قلباً اسے اسماء بنالیا گیا ہو، اور یہی احتمال باقی پیش کردہ نظائر میں بھی ہے ''**واذاجاء الاحتمال، بطل الاستدلال**'' اس کا جواب یہ ہے کہ:

قلب کا انکار نہیں، وہ ہوسکتا ہے، لیکن یہ بھی طے ہے کہ قلب اس قدر نہیں کیا جاتا کہ تمام ہی صیغے اصل کے خلاف استعمال کرلئے جائیں ''**فماقال الکوفیون واتوابا لاحتمال الناقص لایقبل بل یرد علی وجوھھم.**

اسم سمو سے ماخوذ ہے۔سموٌ کے معنی بلندی کے ہیں۔گری پڑی چیزوں کے نام نہیں رکھے جاتے،مثلاً آپ مٹی کو مٹی ہی کہتے ہیں،اس کے مختلف نام نہیں رکھتے،گائے کے،بھینس کے نام جنس کے ساتھ ہیں۔ہر ہر فرد کا علیحدہ نام نہیں،بخلاف انسان کہ اشرف المخلوقات ہے ہر ہر فرد کا نام ہوتا ہے،تو اسم اپنے مسمّی کا اعزاز اور اس کی رفعت کا موجب ہوتا ہے اس لئے اس کا ماخذ سمو تسلیم کیا گیا۔

ومن السمة عند الكوفين واصله وسم حذفت الواو وعوضت عنها همزة الوصل ليقل اعلاله ورد بان الهمزة لم تعهدداخلة على ماحذف صدره فى كلامهم ومن لغاته سِمٌ، سُمٌ وقال بسم اللذى فى كل سورة سمه.

ترجمہ:کوفیین سِـمَةٌ سے اسم کو مشتق مانتے ہیں۔ان کا خیال ہے کہ اصل میں یہ وسم تھا،واؤ کو حذف کرنے کے بعد ہمزۂ وصل کا اضافہ ابتداء میں کیا گیا۔کہتے ہیں کہ اس طرح تعلیل بہت کم ہوگی،لیکن اس خیال کی تردید کی گئی کہ عربوں کے کلام میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ آغاز میں حذف کر دیا گیا ہو اور ہمزہ اس کے عوض میں داخل کیا گیا ہو۔کوفیین کے خیال کے مطابق وَسْـمٌ کے معنی علامت اور داغ کے آتے ہیں اور چونکہ اسم بھی اپنے مسمّی کے لئے علامت اور داغ ہوتا ہے تو اسم کو وَسْمٌ سے مشتق مانا گیا۔

تشریح : ترجمہ سے آپ کو صورتِ حال سمجھنے میں کچھ مدد ملی ہوگی،اسم کے ماخذ کے بارے میں بصریوں کی قیل وقال گزر چکی۔یہاں سے نحاۃ کوفہ کا مذہب بیان کیا جارہا ہے۔جیسا کہ ترجمہ میں واضح کیا گیا کہ کوفیین کے خیال میں اسم دراصل وَسْـمٌ تھا،حذفِ واؤ کے بعد اس کے عوض میں ہمزۂ وصلی لے آئے اور یہ اس لئے کہ تعلیل کم سے کم ہو،کہ تعلیل کا کمتر ہونا راجح سمجھا جاتا ہے،لیکن کوفیین کا یہ خیال اس وجہ سے صحیح نہیں ہے کہ عربی الفاظ میں تغیر وتبدیلیاں از خود پسندیدہ نہیں ہیں بلکہ ان معاملات ومسائل میں اہل زبان کی تقلید واتباع زیبا ہے۔اور عربوں کے یہاں اس کی کوئی نظیر نہیں کہ آغاز لفظ سے کچھ حذف کیا جائے اور اس کے عوض میں ہمزۂ وصل لایا جائے۔کوفیین کی تردید میں یہ دلیل کافی کارآمد ہے،تاہم قاضی صاحبؒ کوفیین کے نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں کہ اگر اسم کی اصل وَسْـمٌ مانی جائے تو بصریین کے خیال کے بالمقابل اس صورت میں تعلیل کم سے کم ہوگی،یہ اس لئے کہ کوفیین کے یہاں صرف واو کا حذف ہے اور اس کے عوض میں ہمزۂ وصلی کا اضافہ۔ان دو اقدامات سے بات بھی بن گئی اور کوئی طویل عمل بھی اختیار کرنا نہیں پڑا لیکن قاضی صاحبؒ کوفیین کے اس خیال کو قابل قبول نہیں سمجھتے اور وہی بات کہتے ہیں کہ قلّة تعليل بھی مطمح نظر بن سکتی ہے مگر اہل زبان کا استعمال اور ان کا طرز سب سے

بڑی حجت ہے اور اہل زبان اول سے حذف نہیں کرتے بلکہ ان کے یہاں اخیر سے حذف کرنے کا رواج ہے تو کوفیین کے یہاں قلتِ تعلیل ہے جو خلافِ اصل ہے اور بصریین کے خیال میں تعلیل اگر چہ کثیر ہے، لیکن عربوں کے استعمال کے موافق ہے اور جب حجت اہل زبان کا طریقہ ہے تو بصریین کی رائے بمقابلہ کوفیین کے قابل قبول بھی ہے اور قابل ترجیح بھی۔

و من لغاته سِمٌ، سُمٌ. بیضاویؒ کا یہ جملہ اصطلاح میں جملہ مستأنفہ کہا جائے گا کہ یہاں سے ایک نئی بات شروع کی جارہی ہے جس کا ماقبل سے فی الجملہ تعلق بھی ہے، چوں کہ گفتگو اس کے بارے میں ہے۔اور یہ اسم سے متعلق پانچ لغات بیان کئے جارہے ہیں:

(۱)اِسْمٌ (۲)اُسْمٌ (۳)سُمٌ (۴)سِمٌ (۵)سُمًی

دیکھئے ان میں سے پہلے چار میں صرف ہمزہ کی موجودگی وعدم موجودگی کا فرق ہے اور اس پر ہی اعراب کا مدار ہے۔اعراب صرف دو ہیں کسرہ اور ضمہ؛ تو صورتیں بھی چار نکلیں گی: مکسور الہمزہ، مضموم الہمزہ، مکسور بغیر الہمزہ اور مضموم بغیر الہمزہ۔ایک لغت ان چار کے علاوہ ہے یعنی **سُمًی**۔ ہر زبان میں اشعار بطور استدلال پیش کئے جاتے ہیں اور یہ استدلال بہت وزنی سمجھا جاتا ہے، اس لئے قاضی صاحبؒ بھی **سِمٌ** کے استعمال پر ایک شاعر کا مصرع پیش کررہے ہیں۔ع **بِسْمِ الذی فی کل سورة سِمُهٗ**

یعنی میں اس ذات گرامی کے نام سے آغاز کررہا ہوں جس کا نام نامی قرآن مجید کی ہر سورت کی ابتداء میں موجود ہے۔محلِ استدلال شاعر کے اس مصرعہ میں **سِمٌ** کا بمعنی **اِسْمٌ** استعمال ہے، تاہم اتنی بات اور ملحوظ رہے کہ یہ استدلال **سِمٌ** کے بمعنی اسم ہونے پر ہے۔اہل کوفہ اور اہل بصرہ کا جو اختلاف ابھی واضح کیا گیا تھا اس استدلال کا اس اختلاف سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

فالاسم ان اريد به اللفظ فغير للمسمّٰى لانه يتألف من اصوات مقطعة غير قارة و يختلف باختلاف الامم والاعصار و يتعدد تارة و يتحد اخرى والمسمّٰى لا يكون كذالك و ان اريد به ذات الشيء فهو المسمّٰى لكنه لم يشتهر بهذا المعنٰى و قوله تعالٰى تبارك اسم ربك و سبّح اسم ربك المراد به اللفظ لانه كما يجب تنزيه ذاته و صفاته عن النقائص يجب تنزيه الالفاظ الموضوعة لها عن الرفث و سوء الادب والاسم فيه مقحم كما فی قول الشاعر ”الی الحول ثم اسم السلام عليكما“ و ان اريد به الصفة كما هو رأى الشيخ ابوالحسن الاشعرى انقسم الصفة عندهٗ الى ما هو نفس للمسمّٰى و

الی ما ھو غیرہ الی ما لیس ھو ولا غیرہ.

ترجمہ : اوراسم سے مراد اگر لفظ ہوتو پھر اسم اور مسمی میں مغایرت ہوگی، چوں کہ اسم کی ترکیب ایسی آوازوں سے ہے جوٹکڑے ٹکڑے ہوتے ہیں اوران میں اجتماع نہیں ہوتا بلکہ قوموں اورزبانوں کی وجہ سے اوران کے اختلاف کی نتیجہ میں یہ خود بھی بدل جاتے ہیں، نیز یہ بھی ہے کہ اسماء کبھی متعدد اور کبھی غیر متعدد ہوتے ہیں، جب کہ مسمی کی یہ صورتِ حال نہیں ہے، نیز اگر اسم سے لفظ نہیں بلکہ شئ کی ذات مراد ہوتو پھر اسم اور مسمی میں عینیت ہوگی مگر یہ ملحوظ رہے کہ یہ عینیت والا تخیل زیادہ شہرت یاب نہیں۔ ممکن ہے کہ اس موقع پر خدا تعالیٰ کا ارشاد تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ، وَسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ سے الجھن پیدا ہوا اور ہماری تحقیق پادر ہوا نظر آئے لیکن یادرکھنا چاہئے کہ ان ہر دو آیات میں اسم سے مراد خود لفظ اسم ہے، ذات پیش نظر نہیں۔ اور یہ اس لئے کہ تمام نقائص سے جس طرح خدائے تعالیٰ کی ذات کو پاک کرنا و سمجھنا واجب ہے۔ ایسے ہی ان الفاظ کو بھی منزہ کیا جائے جو خدائے تعالیٰ کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں اور یہ بھی جواب دیا جاسکتا ہے کہ آیت میں لفظ اسم زائد ہے اور تَبَارَكَ وَسَبِّحْ کا تعلق ذات رب سے ہے، اس کی نظیر خود کلام عرب میں بھی موجود ہے جیسا کہ مصرعہ: ''الی الحول ثم اسم السلام علیکما'' اس نظریہ کی تائید میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ مزید برآں اگر ہم شیخ ابوالحسن اشعری کے خیال کے مطابق اسم سے صفت مراد لیں تو خود صفت کبھی مسمی سے عینیت لئے ہوتی ہے اور کبھی غیریت۔ اور گاہے نہ عینیت ہوتی ہے نہ غیریت (گویا کہ کل تین صورتیں ہیں۔ عین مسمی ، غیر مسمی ، نہ عین مسمی ، نہ غیر مسمی)

تشریح : چوں کہ قاضی صاحبؒ کا معمول ہے کہ وہ کسی مضمون پر ہر نقطۂ نظر سے بحث کی تکمیل کرتے ہیں، کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑتے ، اس لئے اب جو گفتگو کر رہے ہیں، علم کلام سے تعلق رکھتی ہے مگر قاضی صاحب کے نقطۂ نظر کو سمجھنے سے پہلے چند باتیں قابل توجہ ہیں:

۱-کسی ذات کے لئے وضع شدہ لفظ اسم کہلاتا ہے، مثلاً لفظ عمر جو ایک ذات کے لئے وضع کیا گیا ہے۔

۲- مسمی خود ذات کو کہتے ہیں، جیسا مثال مذکور میں ''عمر'' کی ذات، اسم عمر کا مسمی ہے۔

اس مختصر تفصیل کے بعد یہ سمجھئے کہ محققین اس میں اختلاف کرتے ہیں کہ اسم اور مسمّی میں رشتہ عینیت کا ہے یا غیریت کا۔ اس بحث کو طے کرنے کے لئے سے پہلے کچھ مسلّمات ہیں جن میں دورائے نہیں ہیں۔ وہ یہ کہ بعض مواقع پر اسم اور مسمی میں عینیت ہے غیرت کا کوئی سوال نہیں، جیسا کہ ضرب عمرو ظاہر ہے کہ ضارب عمرو ہے لفظ عمرو نہیں۔ اس لئے یہاں عینیت کے سوا کوئی راہ نہیں۔

اور بعض ایسے استعمال ہیں جن میں اسم اور مسمّٰی کے مابین غیریت متعین ہے، کوئی دوسرا احتمال نہیں۔

مثلاً کُتِبَ خَالِدٌ، اس میں لفظ خالد مکتوب ہے نہ کہ خالد کی ذات۔ لہٰذا عینیت وغیریت کی یہ دونوں مثالیں اختلاف سے بالا ہیں، بلکہ اختلاف ان صورتوں میں ہوگا جہاں عینیت بھی ہوسکتی ہے اور غیریت بھی۔ مثلاً رَأَیْتُ عمرواً کہ اس میں یہ بھی مراد ہے کہ خود عمرو کو دیکھا اور یہ بھی ہے کہ لفظ عمرو کو لکھا ہوا دیکھا جب کہ ذاتِ عمرو نہیں دیکھی گئی۔ ہر دو فریق اسی طرح کی صورت میں اختلاف کرتے ہوئے نظر آئیں گے، اسم اور مسمی میں عینیت کے قائلین ذاتِ عمرو مراد لیں گے اور غیریت کے قائلین لفظ عمرو مراد لیں گے نہ کہ ذاتِ عمرو۔

مزید تفصیل یہ ہے کہ: اسلامی فرقوں میں دو مشہور فرقے معتزلہ و اشاعرہ ہیں۔ ہر دو کا اختلاف مباحثِ علم کلام میں ہے۔ معتزلہ اسم اور مسمی میں مغایرت مانتے ہیں اور اشاعرہ میں سے کچھ دونوں میں اتحاد کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ آیات تبارك اسم ربك اور سبح اسم ربك (کہ اللہ کا نام بابرکت ہے اور اپنے خدا کی تسبیح بیان کیجئے) ہر دو آیات میں بالترتیب برکت و تسبیح کا تعلق اسم سے ہے اور جب کہ یہ معلوم ہے کہ مبارک ہونا، عیوب سے پاک صفت ذات ہے، ان چیزوں کا تعلق الفاظ سے قائم نہیں ہوتا۔ اس وضاحت کے بعد دونوں آیات کا مطلب یہ ہوگا کہ خدا تعالیٰ کی ذات بابرکت ہے اور وہی تسبیح کے قابل ہے۔ نتیجتاً اسم اور مسمی متحد نکلے۔ اسی مضمون کی تاکید کے لئے (اتحاد اسم و مسمی) اشاعرہ دوسری دلیل یہ دیتے ہیں کہ از روئے فقہ خدیجة طالقٌ کے جملہ میں اسم خدیجہ پر طلاق واقع نہیں ہوئی بلکہ وقوع طلاق اس ذات پر ہے جس کے لئے لفظ خدیجہ وضع کیا گیا ہے۔

معتزلہ اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لئے (اسم اور مسمّٰی میں مغایرت) بطور دلیل قُلِ ادْعُوا اللّٰہَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَہُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی والی آیت پیش کرتے ہیں۔ آیت میں خدا تعالیٰ کے لئے مختلف اسماء استعمال کرنے کی اجازت ہے بلکہ ننانوے اسماء حسنی میں سے جو چاہے استعمال کرے، اب اگر ہم اسم اور مسمّٰی میں اتحاد کے قائل ہوں جیسا کہ معتزلہ کا خیال ہے تو ذاتِ باری بہت سی ہوجائیں گی۔ چوں کہ اسماء میں تعدد مسمّٰی کے تعدد کا مقتضی ہے، نتیجتاً عقیدۂ توحید شکست وریخت ہوجائے گا حالاں کہ خدا کو ایک ماننا اسلام کا بنیادی مطالبہ ہے اور توحید کا مطلب یہ تھا کہ خدا تعالیٰ اور اس کی ذات و صفات ایک ہے، نہ کوئی شریک ذات، نہ شریک صفات کما نصّ به القرآن قائلاً قل هو اللّٰه احد عقیدۂ توحید کے بطلان سے محفوظ رہنے کے لئے اسم اور مسمّٰی میں غیریت ماننی چاہئے، عینیت کا نظریہ براہِ راست عقیدۂ توحید کے بطلان کو مستلزم ہے۔

❁ .... ❁ .... ❁

رمضان ہم سے کیا مطالبہ کرتا ہے؟

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب

رمضان کے معنی

لفظ ''رمضان'' میم کے سکون کے ساتھ ہم غلط استعمال کرتے ہیں، صحیح لفظ ''رَمَضان'' میم کے زبر کے ساتھ ہے اور ''رَمَضان'' کے لوگوں نے بہت سے معنی بیان کئے ہیں۔ لیکن اصل عربی زبان میں ''رمضان'' کے معنی ہیں ''جھلسا دینے والا اور جلا دینے والا'' اور اس ماہ کا یہ نام اس لئے رکھا گیا کہ سب سے پہلے جب اس ماہ کا نام رکھا جا رہا تھا اس سال یہ مہینہ شدید جھلسا دینے والی گرمی میں آیا، اس لئے لوگوں نے اس کا نام ''رمضان'' رکھ دیا۔

اپنے گناہوں کو بخشوالو

لیکن علماء نے فرمایا کہ اس ماہ کو ''رمضان'' اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس مہینہ میں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اپنے فضل و کرم سے بندوں کے گناہوں کو جھلسا دیتے ہیں اور جلا دیتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ مہینہ مقرر فرمایا۔ گیارہ مہینے دنیاوی کاروبار، دنیاوی دھندوں میں لگے رہنے کے نتیجے میں غفلتیں دل پر چھا گئیں اور اس عرصہ میں جن گناہوں اور خطاؤں کا ارتکاب ہوا ان کو اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو کر انہیں بخشوالو اور غفلت کے پردوں کو دل سے اٹھا دو تاکہ زندگی کا ایک نیا دور شروع ہو جائے، اسی لئے قرآن کریم نے فرمایا کہ: **يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ** (سورہ بقرہ:۱۸۳)

یعنی یہ روزے تم پر اس لئے فرض کئے گئے ہیں تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو جائے تو رمضان کے مہینے کا اصل مقصد یہ ہے کہ سال بھر کے گناہوں کو بخشوانا اور غفلت کے حجاب دل سے اٹھانا اور دلوں میں تقویٰ پیدا کرنا، جیسے کسی مشین کو جب کچھ عرصہ استعمال کیا جائے تو اس کے بعد اس کی سروس کرانی پڑتی

ہے، اس کی صفائی کرانی ہوتی ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کی سروس اور اوور ہالنگ کے لئے یہ رمضان المبارک کا مہینہ مقرر فرمایا ہے تاکہ اس مہینے میں اپنی صفائی کراؤ اور اپنی زندگی کو ایک نئی شکل دو۔

اس ماہ کو فارغ کرلیں

لہٰذا صرف روزے رکھنے اور تراویح پڑھنے کی حد تک بات ختم نہیں ہوتی بلکہ اس مہینے کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو اس مہینے میں دوسرے کاموں سے فارغ کر لئے، اس لئے کہ گیارہ مہینے تک زندگی کے دوسرے کام دھندوں میں لگے رہے لیکن یہ مہینہ انسان کے لئے اس کی اصل مقصد تخلیق کی طرف لوٹنے کا مہینہ ہے، اس لئے اس مہینے کے تمام اوقات ورنہ کم از کم اکثر اوقات یا جتنا زیادہ سے زیادہ ہو سکے اللہ کی عبادت میں صرف کرے اور اس کے لئے انسان کو پہلے سے تیار ہونا چاہئے اور اس کا پہلے سے پروگرام بنانا چاہئے۔

استقبال رمضان کا صحیح طریقہ

آج کل عالمِ اسلام میں ایک بات چل پڑی ہے جس کی ابتداء عرب ممالک: خاص کر مصر اور شام سے ہوئی اور پھر دوسرے ملکوں میں بھی رائج ہوگئی اور ہمارے یہاں بھی آگئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ رمضان شروع ہونے سے پہلے کچھ محفلیں منعقد ہوتی ہیں جس کا نام ''محفل استقبال رمضان'' رکھا جاتا ہے جس میں رمضان سے ایک دو دن پہلے ایک اجتماع منعقد کیا جاتا ہے اور اس میں قرآن کریم اور تقریر اور وعظ رکھا جاتا ہے جس کا مقصد لوگوں کو یہ بتلانا ہوتا ہے کہ ہم رمضان المبارک کا استقبال کر رہے ہیں اور اس کو خوش آمدید کہہ رہے ہیں۔ رمضان المبارک کے استقبال کا یہ جذبہ بہت اچھا ہے لیکن یہی اچھا جذبہ جب آگے بڑھتا ہے تو کچھ عرصہ کے بعد بدعت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ چنانچہ بعض جگہوں پر اس استقبال کی محفل نے بدعت کی شکل اختیار کرلی لیکن رمضان المبارک کا اصل استقبال یہ ہے کہ رمضان آنے سے پہلے اپنے نظام الاوقات بدل کر ایسا بنانے کی کوشش کرے کہ اس میں زیادہ سے زیادہ وقت اللہ جل شانہٗ کی عبادت میں صرف ہو۔ رمضان کا مہینہ آنے سے پہلے یہ سوچو کہ یہ مہینہ آرہا ہے، کس طرح میں اپنی مصروفیات کم کرسکتا ہوں، اس مہینے میں اگر کوئی شخص بالکلیہ عبادت کے لئے فارغ کرلے تو سبحان اللہ، اگر کوئی شخص بالکلیہ اپنے آپ کو فارغ نہیں کرسکتا تو پھر یہ دیکھے کہ کون کون سے کام ایک ماہ کے لئے چھوڑ سکتا ہوں، ان کو چھوڑے اور کن مصروفیات کو کم کرسکتا ہوں، ان کو کم کرے اور جن کاموں کو رمضان کے بعد تک موخر کرسکتا ہے ان کو موخر کرے اور رمضان

کے زیادہ سے زیادہ اوقات کو عبادت میں لگانے کی فکر کرے۔ میرے نزدیک استقبال رمضان کا صحیح طریقہ یہی ہے، اگر یہ کام کر لیا تو انشاء اللہ رمضان المبارک کی صحیح روح اور اس کے انوار و برکات حاصل ہوں گے، ورنہ یہ ہوگا کہ رمضان المبارک آئے گا اور چلا جائے گا اور اس سے صحیح طور پر فائدہ ہم نہیں اٹھا سکیں گے۔

روزہ اور تراویح سے ایک قدم آگے

جب رمضان المبارک کو دوسرے مشاغل سے فارغ کر لیا تو اب اس فارغ وقت کو کس کام میں صرف کرے، جہاں تک تراویح کا معاملہ ہے اس سے بھی ہر شخص واقف ہے لیکن ایک پہلو کی طرف خاص طور پر متوجہ کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ الحمد للہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہے اس کے دل میں رمضان المبارک کا ایک احترام اور اس کا تقدس ہوتا ہے، جس کی وجہ سے اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اس ماہِ مبارک میں اللہ کی عبادت کچھ زیادہ کرے اور کچھ نوافل زیادہ پڑھے۔ جو لوگ عام دنوں میں پانچ وقت کی نماز ادا کرنے کے لئے مسجد میں آنے سے کتراتے ہیں وہ لوگ بھی تراویح جیسی لمبی نماز میں روزانہ شریک ہوتے ہیں۔ یہ سب الحمد للہ اس ماہ کی برکت ہے کہ لوگ عبادت میں، نماز میں، ذکر واذکار اور تلاوت قرآن میں مشغول ہوتے ہیں۔

ایک مہینہ اس طرح گزار لو

لیکن ان سب نفلی نمازوں، نفلی عبادات، نفلی ذکر واذکار اور نفلی تلاوت قرآن کریم سے زیادہ مقدم ایک اور چیز ہے جس کی طرف توجہ نہیں دی جاتی، وہ یہ ہے کہ اس مہینہ کو گناہوں سے پاک کر کے گزارنا کہ اس ماہ میں ہم سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو، اس مبارک مہینے میں آنکھ نہ بہکے، نظر غلط جگہ پر نہ پڑے، کان غلط چیز نہ سنیں، زبان سے کوئی غلط کلمہ نہ نکلے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی معصیت سے مکمل اجتناب ہو۔ یہ مبارک مہینہ اگر اس طرح گزار لیا پھر چاہے ایک نفلی رکعت نہ پڑھی ہو اور تلاوت زیادہ نہ کی ہو اور نہ ذکر واذکار کیا ہو لیکن گناہوں سے بچتے ہوئے اللہ کی معصیت اور نافرمانی سے بچتے ہوئے یہ مہینہ گزار دیا تو آپ قابل مبارکباد ہیں اور یہ مہینہ آپ کے لئے مبارک ہے۔ گیارہ مہینے تک ہر قسم کے کام میں مبتلا رہتے ہیں اور یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایک مہینہ آرہا ہے، کم از کم اس کو تو گناہوں سے پاک کر لو۔ اس میں تو اللہ کی نافرمانی نہ کرو، اس میں تو کم از کم جھوٹ نہ بولو، اس میں تو غیبت نہ کرو، اس میں تو بدنگاہی کے اندر مبتلا نہ ہو، اس مبارک مہینے میں تو کانوں کو غلط جگہ پر استعمال نہ کرو، اس میں تو رشوت نہ کھاؤ، اس میں سود نہ کھاؤ، کم از کم یہ ایک مہینہ اس طرح گزار لو۔

یہ کیسا روزہ؟

اس لئے کہ آپ روزے تو ماشاء اللہ بڑے ذوق وشوق سے رکھ رہے ہیں، لیکن روزے کے کیا معنی ہیں؟ روزے کی معنی یہ ہیں کہ کھانے سے اجتناب کرنا، پینے سے اجتناب اور نفسانی خواہشات کی تکمیل سے اجتناب کرنا۔ روزے میں ان تینوں چیزوں سے اجتناب ضروری ہے۔ اب یہ دیکھیں کہ یہ تینوں چیزیں ایسی ہیں جو فی نفسہٖ حلال ہیں۔ کھانا حلال، پینا حلال اور جائز طریقے سے زوجین کا نفسانی خواہشات کی تکمیل کرنا حلال۔ اب روزے کے دوران آپ ان حلال چیزوں سے تو پرہیز کر رہے ہیں۔ نہ کھانا کھا رہے ہیں اور نہ پی رہے ہیں لیکن جو چیزیں پہلے سے حرام تھیں مثلاً جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، بدنگاہی کرنا جو ہر حال میں حرام تھیں۔ روزے میں یہ سب چیزیں ہو رہی ہیں۔ اب روزہ رکھا ہوا ہے اور جھوٹ بول رہے ہیں۔ روزہ رکھا ہوا ہے اور غیبت کر رہے ہیں۔ روزہ رکھا ہوا ہے اور بدنگاہی کر رہے ہیں۔ روزہ رکھا ہوا ہے لیکن وقت پاس کرنے کے لئے گندی گندی فلمیں دیکھ رہے ہیں، یہ کیا روزہ ہوا؟ کہ حلال چیز تو چھوڑ دی اور حرام چیز نہیں چھوڑی، اس لئے حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص روزے کی حالت میں جھوٹ بولنا نہ چھوڑے تو مجھے اس کے بھوکا اور پیاسا رہنے کی کوئی حاجت نہیں، اس لئے جب جھوٹ بولنا نہیں چھوڑا جو پہلے سے حرام تھا تو کھانا چھوڑ کر اس نے کون سا بڑا عمل کیا۔

روزہ کا ثواب ملیا میٹ ہو گیا

اگر چہ فقہی اعتبار سے روزہ درست ہو گیا، اگر کسی مفتی سے پوچھو گے کہ میں نے روزہ بھی رکھا تھا اور جھوٹ بھی بولا تھا تو ہو مفتی یہی جواب دے گا کہ روزہ درست ہو گیا۔ اس کی قضا واجب نہیں لیکن اس کی قضا واجب نہ ہونے کے باوجود اس روزے کا ثواب اور برکات ملیا میٹ ہو گئیں، اس واسطے کہ تم نے اس روزے کی روح حاصل نہیں کی۔

روزے کا مقصد تقویٰ کی شمع روشن کرنا

میں نے آپ کے سامنے جو یہ آیت تلاوت کی کہ: یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ (سورہ بقرہ: ۱۸۳)

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جیسے پچھلی امتوں پر فرض کئے گئے، کیوں فرض کئے گئے؟ تا کہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو، یعنی روزہ اصل میں اس لئے تمہارے ذمہ شروع کیا گیا تا کہ اس کے ذریعہ تمہارے دل میں تقویٰ کی شمع روشن ہو۔ روزے سے تقویٰ کس طرح پیدا ہوتا ہے؟

روزہ تقویٰ کی سیڑھی ہے

بعض علماء کرام نے فرمایا کہ روزہ سے تقویٰ اس طرح پیدا ہوتا ہے کہ روزہ انسان کی قوتِ حیوانیہ اور قوتِ بہیمیہ کو توڑتا ہے۔ جب آدمی بھوکا رہے گا تو اس کی وجہ سے اس کی حیوانی خواہشات اور حیوانی تقاضے کچلے جائیں گے، جس کے نتیجے میں گناہوں پر اقدام کرنے کا داعیہ اور جذبہ سست پڑ جائے گا۔

لیکن ہمارے حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہٗ، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، آمین آپ نے فرمایا کہ صرف قوت بہیمیہ توڑنے کی بات نہیں ہے بلکہ یہ بات دراصل یہ ہے کہ جب آدمی صحیح طریقے سے روزہ رکھے گا تو یہ روزہ خود تقویٰ کی ایک عظیم الشان سیڑھی ہے، اس لئے کہ تقویٰ کے کیا معنی ہیں؟ تقویٰ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ جل جلالہٗ کی عظمت کے استحضار سے اس کے گناہوں سے بچنا، یعنی یہ سوچ کر کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو کر مجھے جواب دینا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے۔ اس تصور کے بعد جب انسان گناہوں کو چھوڑتا ہے تو اسی کا نام تقویٰ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى.** (سورۃ النازعات: ۴۰)

یعنی جو شخص اس بات سے ڈرتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہونا ہے اور کھڑا ہونا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ اپنے آپ کو ہوائے نفس اور خواہشات سے روکتا ہے، یہی تقویٰ ہے۔

میرا مالک مجھے دیکھ رہا ہے

لہٰذا ''روزہ'' حصولِ تقویٰ کے لئے بہترین ٹریننگ اور بہترین تربیت ہے۔ جب روزہ رکھ لیا تو آدمی پھر کیسا ہی گنہگار، خطاکار اور فاسق وفاجر ہو، جیسا بھی ہو لیکن روزہ رکھنے کے بعد اس کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ سخت گرمی کا دن ہے اور سخت پیاس لگی ہوئی ہے اور کمرہ میں اکیلا ہے، کوئی دوسرا پاس موجود نہیں اور دروازے پر کنڈی لگی ہوئی ہے اور کمرہ میں فریج موجود ہے اور اس فریج میں ٹھنڈا پانی موجود ہے اس وقت انسان کا نفس یہ

تقاضہ کرتا ہے کہ اس شدید گرمی کے عالم میں ٹھنڈا پانی پی لوں، لیکن کیا وہ شخص فریج سے ٹھنڈا پانی نکال کر پی لے گا؟ ہرگز نہیں پئے گا، حالاں کہ اگر وہ پانی پی لے تو کسی بھی انسان کو کانوں کان خبر نہ ہوگی، کوئی لعنت اور ملامت کرنے والا نہیں ہوگا اور دنیا والوں کے سامنے وہ روزہ دار ہی رہے گا اور شام کو باہر نکل کر آرام سے لوگوں کے ساتھ افطاری کھالے تو کسی شخص کو بھی پتہ نہیں چلے گا کہ اس نے روزہ توڑ دیا ہے لیکن اس کے باوجود وہ پانی نہیں پیتا ہے، کیوں نہیں پیتا ہے؟ پانی نہ پینے کی وجہ اس کے علاوہ کوئی اور وجہ نہیں ہے کہ وہ یہ سوچتا ہے کہ اگرچہ کوئی مجھے نہیں دیکھ رہا ہے لیکن میرا مالک جس کے لئے میں نے روزہ رکھا ہے وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔

میں ہی اس کا بدلہ دوں گا

اسی لئے اللہ جل شانہٗ فرماتے ہیں کہ:

الصوم لی و انا اجزی به. (ترمذی، کتاب الصوم، باب ماجاء فی فضل الصوم، حدیث:۷۶۴)

یعنی روزہ میرے لئے ہے، لہٰذا میں ہی اس کی جزا دوں گا اور اعمال کے بارے میں تو یہ فرمایا کہ کسی عمل کا دس گنا اجر، کسی عمل کا ستر گنا اور کسی عمل کا سو گنا اجر ہے حتی کہ صدقہ کا اجر سات سو گنا ہے لیکن روزے کے بارے میں فرمایا کہ روزے کا اجر میں دوں گا کیوں کہ روزہ اس نے صرف میرے لئے رکھا تھا۔ اس لئے کہ شدید گرمی کی وجہ سے جب حلق میں کانٹے لگ رہے ہیں اور زبان پیاس سے خشک ہے اور فریج میں ٹھنڈا پانی موجود ہے اور تنہائی ہے اور کوئی دیکھنے والا بھی نہیں ہے، اس کے باوجود میرا بندہ صرف اس لئے پانی نہیں پی رہا ہے کہ اس کے دل میں میرے سامنے کھڑا ہونے اور جواب دہی کا ڈر اور احساس ہے، اس احساس کا نام تقویٰ ہے۔ اگر یہ احساس پیدا ہوگیا تو تقویٰ بھی پیدا ہوگا، لہٰذا تقویٰ روزے کی ایک شکل بھی ہے اور اس کے حصول کی ایک سیڑھی بھی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے روزے اس لئے فرض کئے تا کہ تقویٰ کی عملی تربیت دیں۔

ورنہ یہ تربیتی کورس مکمل نہیں ہوگا

اور جب تم روزے کے ذریعہ عملی تربیت حاصل کر رہے ہو، تو پھر اس کو اور ترقی دو اور آگے بڑھاؤ، لہٰذا جس طرح روزے کی حالت میں شدت پیاس کے باوجود پانی پینے سے رک گئے تھے اور اللہ کے خوف سے کھانا کھانے سے رک گئے، اسی طرح جب کاروبارِ زندگی میں نکلو اور وہاں پر اللہ کی نافرمانی اور معصیت کا

تقاضہ اور داعیہ پیدا ہو تو یہاں بھی اللہ کے خوف سے اس معصیت سے رک جاؤ۔ لہٰذا ایک مہینے کے لئے ہم تمہیں تربیتی کورس سے گزار رہے ہیں اور یہ تربیتی کورس اس وقت مکمل ہوگا جب کاروبارِ زندگی میں ہر موقع پر اس پر عمل کرو، ورنہ اس طرح یہ تربیتی کورس مکمل نہیں ہوگا کہ اللہ کے خوف سے پانی پینے سے تو رک گئے اور جب کاروبارِ زندگی میں نکلے تو پھر آنکھ غلط جگہ پر پڑ رہی ہے، کان بھی غلط باتیں سن رہے ہیں، زبان سے بھی غلط باتیں نکل رہی ہیں، اس طرح تو یہ کورس مکمل نہیں ہوگا۔

روزہ کا ایئر کنڈیشنر لگا دیا، لیکن؟

جس طرح علاج ضروری ہے اسی طرح پرہیز بھی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے روزہ اس لئے رکھوایا تا کہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو لیکن تقویٰ اس وقت پیدا ہوگا جب اللہ کی نافرمانیوں اور معصیتوں سے پرہیز کرو گے، مثلاً کمرہ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے آپ نے اس میں ایر کنڈیشنر لگایا اور ایئر کنڈیشنر کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ پورے کمرے کو ٹھنڈا کر دے، اب آپ نے اس کو آن کر دیا، لیکن ساتھ ہی اس کمرے کی کھڑکیاں، دروازے کھول دیئے، ادھر سے ٹھنڈک آ رہی ہے اور ادھر سے نکل رہی ہے۔ لہٰذا کمرہ ٹھنڈا نہیں ہوگا، بالکل اسی طرح یہ سوچئے کہ روزہ کا ایئر کنڈیشنر تو آپ نے لگا دیا لیکن ساتھ ہی دوسری طرف اللہ کی نافرمانی اور معصیتوں کے دروازے اور کھڑکیاں کھول دیں، اب بتایئے ایسے روزے سے کوئی فائدہ حاصل ہوگا؟

اصل مقصد حکم کی اتباع

اسی طرح روزے کے اندر یہ حکمت کہ اس کا مقصد قوتِ بہیمیہ توڑنا ہے، یہ بعد کی حکمت ہے، اصل مقصد یہ ہے کہ ان کے حکم کی اتباع ہو اور سارے دین کا مدار اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے حکم کی اتباع ہے۔ وہ جب کہیں کہ کھاؤ اس وقت کھانا دین ہے اور جب وہ کہیں کہ مت کھاؤ اس وقت نہ کھانا دین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت اپنی اتباع کا عجیب نظام بنایا ہے کہ سارا دن تو روزہ رکھنے کا حکم دیا اور اس پر بڑا اجر و ثواب رکھا لیکن ادھر آفتاب غروب ہوا کہ اُدھر یہ حکم آ گیا کہ اب جلدی افطار کرو اور افطار میں جلدی کرنے کو مستحب قرار دیا اور بلا وجہ افطار میں تاخیر کرنا مکروہ اور ناپسندیدہ ہے۔ کیوں ناپسندیدہ ہے؟ اس لئے کہ جب آفتاب غروب ہو گیا تو ہمارا یہ حکم آ گیا کہ اب بھی اگر نہیں کھاؤ گے اور بھوکے رہو گے تو یہ بھوک کی حالت ہمیں پسند نہیں، اس لئے کہ اصل کام ہماری اتباع کرنا ہے، اپنا شوق پورا نہیں کرنا ہے۔

ہمارا حکم توڑ دیا

عام حالات میں دنیا کی کسی چیز کی حرص اور ہوس بہت بری چیز ہے لیکن جب وہ کہیں کہ حرص کرو، تو پھر حرص ہی میں لطف اور مزہ ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

چوں طمع خواہد بہ من سلطانِ دیں ☆ خاک بر فرقِ قناعت بعد ازیں

جب سلطانِ دیں یہ چاہ رہے ہیں کہ میں حرص اور طمع کروں تو پھر قناعت کے سر پر خاک، پھر قناعت میں مزہ نہیں ہے، پھر تو طمع اور حرص میں مزہ ہے، یہ افطار میں جلدی کرنے کا حکم اسی وجہ سے ہے، غروب آفتاب سے پہلے تو یہ حکم تھا ایک ذرہ بھی اگر منہ میں چلا گیا تو گناہ بھی لازم اور کفارہ بھی لازم، مثلاً سات بجے آفتاب غروب ہو رہا تھا، اب اگر کسی شخص نے چھ بج کر اُنسٹھ منٹ پر ایک چنے کا دانہ کھالیا، اب بتائیے کہ روزے میں کتنی کمی آئی؟ صرف ایک منٹ کی کمی آئی، ایک منٹ کا روزہ توڑا لیکن اس ایک منٹ کے روزے کے کفارے میں ساٹھ دن کے روزے رکھنے واجب ہیں، اس لئے کہ یہ بات صرف ایک چنے اور ایک منٹ کی نہیں ہے، بات دراصل یہ ہے کہ اس نے ہمارا حکم توڑا، ہمارا حکم یہ تھا کہ جب تک آفتاب غروب نہ ہو جائے اس وقت تک کھانا جائز نہیں لیکن تم نے یہ حکم توڑ دیا، لہٰذا اب ایک منٹ کے بدلے میں ساٹھ دن کے روزے رکھو۔

افطار میں جلدی کرو

اور پھر جیسے ہی آفتاب غروب ہو گیا تو یہ حکم آ گیا کہ اب جلدی کھاؤ، اگر بلا وجہ تاخیر کر دی تو گناہ ہوگا کیوں؟ اس واسطے کہ ہم نے حکم دیا تھا کہ کھاؤ، اب کھانا ضروری ہے۔

سحری میں تاخیر افضل ہے

سحری کے بارے میں حکم یہ ہے کہ سحری تاخیر سے کھانا افضل ہے، جلدی کھانا خلافِ سنت ہے۔ بعض لوگ رات کو بارہ بجے سحری کھا کر سو جاتے ہیں، یہ خلاف سنت ہے۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ کا بھی یہی معمول تھا کہ بالکل آخری وقت تک کھاتے رہتے تھے، اس واسطے کہ یہ وہ وقت ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ صرف یہ کہ کھانے کی اجازت ہے بلکہ کھانے کا حکم ہے، اس لئے جب تک وہ وقت باقی رہے گا، ہم کھاتے رہیں گے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اتباع اور اطاعت اسی میں ہے، اب اگر کوئی شخص پہلے سحری کھالے تو گویا اس نے

روزے کے وقت میں اپنی طرف سے اضافہ کر دیا، اس لئے پہلے سے سحری کھانے کو ممنوع قرار دیا، پورے دین میں سارا کھیل اتباع کا ہے، جب ہم نے کہا کہ کھاؤ تو اب کھانا ثواب ہے اور جب ہم نے کہا کہ مت کھاؤ تو نہ کھانا ثواب ہے۔ اس لئے حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ کہہ رہے ہیں کہ کھاؤ اور بندہ کہے کہ میں تو نہیں کھاتا یا میں کم کھاتا ہوں، تو یہ بندگی اور اطاعت نہ ہوئی۔ ارے بھائی! نہ کھانے میں کچھ رکھا ہے اور نہ ہی نہ کھانے میں کچھ رکھا ہے، سب کچھ ان کی اطاعت میں ہے، اس لئے جب انہوں نے کہہ دیا کہ کھاؤ تو پھر کھاؤ، اس میں اپنی طرف سے زیادہ پابندی کرنے کی ضرورت نہیں۔

ایک مہینہ بغیر گناہ کے گزارلو

البتہ اہتمام کرنے کی چیز یہ ہے کہ جب روزہ رکھ لیا تو اب اپنے آپ کو گناہوں سے بچاؤ، آنکھوں کو بچاؤ، کانوں کو بچاؤ، زبانوں کو بچاؤ۔ ایک رمضان کے موقع پر ہمارے حضرت قدس اللہ سرہٗ نے یہاں تک فرمایا کہ میں ایسی بات کہتا ہوں جو کوئی اور نہیں کہے گا، وہ یہ کہ اپنے نفس کو اس طرح بہلاؤ اور اس سے عہد کرلو کہ ایک مہینہ بغیر گناہ کے گزارلو، جب یہ ایک مہینہ گذر جائے تو پھر تیرا جو جی چاہے کرنا۔ چنانچہ حضرت والا فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ جب یہ ایک مہینہ بغیر گناہ کے گذر جائے گا تو پھر اللہ تعالیٰ خود اس کے دل میں گناہ چھوڑنے کا داعیہ پیدا فرمادیں گے لیکن یہ عہد کرلو کہ یہ اللہ کا مہینہ آرہا ہے، یہ عبادت کا مہینہ ہے، یہ تقویٰ پیدا کرنے کا مہینہ ہے، ہم اس میں گناہ نہیں کریں گے اور ہر شخص اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھے کہ وہ کن گناہوں میں مبتلا ہے، پھر ان سب کے بارے میں یہ عہد کرلے کہ میں ان میں مبتلا نہیں ہوں گا، مثلاً یہ عہد کرلے کہ رمضان المبارک میں آنکھ غلط جگہ پر نہیں اٹھے گی، کان غلط بات نہیں سنیں گے، زبان سے غلط بات نہیں نکلے گی، یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ روزہ بھی رکھا ہوا ہے اور فواحشات کو بھی آنکھ سے دیکھ رہے ہیں اور اس سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔

اس ماہ میں رزقِ حلال

دوسری اہم بات جو ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ کم از کم اس ایک مہینے میں تو رزق حلال کا اہتمام کرلو، جو لقمہ آئے وہ حلال کا آئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ روزہ تو اللہ کے لئے رکھا اور اس کو حرام چیز سے افطار کر رہے ہیں، سود پر افطار ہو رہا ہے یا رشوت پر افطار ہو رہا ہے یا حرام آمدنی پر افطار ہو رہا ہے، یہ کیسا روزہ

ہوا کہ سحری بھی حرام اور افطاری بھی حرام اور درمیان میں روزہ۔اس لئے خاص طور پر اس مہینے میں حرام روزی سے بچو اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے مانگو کہ یا اللہ! میں رزقِ حلال کھانا چاہتا ہوں، مجھے رزق حرام سے بچا لیجئے۔

حرام آمدنی سے بچیں

بعض حضرات وہ ہیں جن کا بنیادی ذریعۂ معاش الحمدللہ حرام نہیں ہے بلکہ حلال ہے، البتہ اہتمام نہ ہونے کی وجہ سے کچھ حرام آمدنی کی آمیزش بھی ہوجاتی ہے۔ایسے حضرات کے لئے حرام سے بچنا کوئی دشوار کام نہیں ہے، وہ کم ازکم اس ماہ میں تھوڑا سا اہتمام کرلیں اور حرام آمدنی سے بچیں، یہ عجیب قصہ ہے کہ اس ماہ کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ یہ صبر کا مہینہ ہے، یہ مواسات اور غم خواری کا مہینہ ہے، ایک دوسرے سے ہمدردی کا مہینہ ہے، لیکن اس ماہ میں مواسات کے بجائے لوگ الٹا کھال کھینچنے کی فکر کرتے ہیں، ادھر رمضان المبارک کا مہینہ آیا اور اُدھر چیزوں کی ذخیرہ اندوزی شروع کردی، لہٰذا کم ازکم اس ماہ میں اپنے آپ کو ایسے حرام کاموں سے بچالو۔

اگر آمدنی مکمل حرام ہے تو پھر؟

بعض حضرات وہ ہیں جن کا ذریعہ آمدنی مکمل طور پر حرام ہے، مثلاً وہ کسی سودی ادارے میں ملازم ہیں، ایسے حضرات اس ماہ میں کیا کریں؟ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس اللہ سرہٗ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، آمین۔ ہر آدمی کے لئے راستہ بتا گئے۔وہ فرماتے ہیں کہ میں ایسے آدمی کو جس کی مکمل آمدنی حرام ہے، یہ مشورہ دیتا ہوں کہ اگر ہوسکے تو رمضان میں چھٹی لے لے، اور کم ازکم اس ماہ کے خرچ کے لئے جائز اور حلال ذریعہ سے انتظام کرلے، کوئی جائز آمدنی کا ذریعہ اختیار کرلے اور اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو اس ماہ کے خرچ کے لئے کسی سے قرض لے لے اور یہ سوچے کہ اس مہینہ میں حلال آمدنی سے کھاؤں گا اور اپنے بچوں کو بھی حلال کھلاؤں گا، کم ازکم اتنا تو کرلے۔

گناہوں سے بچنا آسان ہے

بہرحال! میں یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ لوگ اس مہینے میں نوافل وغیرہ کا تو اہتمام بہت کرتے ہیں، لیکن گناہوں سے بچنے کا اتنا اہتمام نہیں کرتے حالاں کہ اس ماہ میں اللہ تعالیٰ نے گناہوں سے بچنے کو آسان فرمادیا

ہے۔ چنانچہ اس ماہ میں شیطان کو بیڑیاں پہنا دی جاتی ہیں اور ان کو قید کر دیا جاتا ہے۔ لہٰذا شیطان کی طرف سے گناہ کرنے کے وسوسے اور تقاضے ختم ہو جاتے ہیں، اس لئے گناہوں سے بچنا آسان ہو جاتا ہے۔

روزے میں غصہ سے پرہیز

تیسری بات جس کا روزے سے خاص تعلق ہے، وہ ہے غصے سے اجتناب اور پرہیز۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ مواسات کا مہینہ ہے۔ ایک دوسرے سے غم خواری کا مہینہ ہے، لہٰذا غصہ اور غصہ کی وجہ سے سرزد ہونے والے جرائم اور گناہ مثلاً جھگڑا، مار پٹائی اور تو تکار، ان چیزوں سے پرہیز کا اہتمام کریں۔ حدیث شریف میں حضور اقدس ﷺ نے یہاں تک فرما دیا کہ: **و ان جهل علی احدكم جاهل و هو صائم فليقل انی صائم.** (ترمذی، کتاب الصوم، باب ماجاء فی فصل السوم، حدیث: ۷۶۴)

یعنی اگر کوئی شخص تم سے جہالت اور لڑائی کی بات کرے تو تم کہہ دو کہ میرا روزہ ہے، میں لڑنے کے لئے تیار نہیں، نہ زبان سے لڑنے کے لئے تیار ہوں اور نہ ہاتھ سے، اس سے پرہیز کریں، یہ سب بنیادی کام ہیں۔

رمضان میں نفلی عبادات زیادہ کریں

جہاں تک عبادات کا تعلق ہے تمام مسلمان ماشاء اللہ جانتے ہی ہیں کہ روزہ رکھنا، تراویح پڑھنا ضروری ہے اور تلاوتِ قرآن کریم کو چوں کہ اس مہینے سے خاص مناسبت ہے اس لئے حضور نبی کریم ﷺ رمضان کے مہینے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ پورے قرآن کریم کا دور فرمایا کرتے تھے۔ اس لئے جتنا زیادہ سے زیادہ ہو سکے اس مہینہ میں تلاوت کریں اور اس کے علاوہ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے زبان پر اللہ کا ذکر کریں اور تیسرا کلمہ **سبحان اللّٰه والحمد لله ولا اله الا الله والله اكبر** اور نوافل کی جتنی کثرت ہو سکے کریں اور عام دنوں میں رات کو اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھنے کا موقعہ نہیں ملتا، لیکن رمضان المبارک میں چوں کہ انسان سحری کے لئے اٹھتا ہے، تھوڑا پہلے اٹھ جائے اور سحری سے پہلے تہجد پڑھنے کا معمول بنالے اور اس ماہ میں نماز خشوع کے ساتھ اور مرد باجماعت نماز پڑھنے کا اہتمام کرلیں۔ یہ سب کام تو اس ماہ میں کرنے ہی چاہئیں۔ یہ رمضان المبارک کی خصوصیات میں سے ہیں لیکن ان سب چیزوں سے زیادہ اہم گناہوں سے بچنے کی فکر ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور رمضان المبارک کے انوار و برکات سے صحیح طور پر مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

❁ .... ❁ .... ❁

زکوٰۃ کے ضروری مسائل

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری
شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند

دوقسم کی عبادتیں

اللہ تعالیٰ نے دوقسم کی عبادتیں رکھی ہیں: بدنی اور مالی۔
بدنی: وہ عبادتیں ہیں جن کا تعلق بدن سے ہے یعنی ان میں بدن استعمال ہوتا ہے۔
مالی: وہ عبادتیں ہیں جن میں مال استعمال ہوتا ہے، بدن استعمال نہیں ہوتا۔

زکوٰۃ عام مال میں ہے، خاص مال میں نہیں

مالی عبادت میں شریعت نے کئی باتوں کا لحاظ کیا ہے۔ ایک یہ کہ جو اموال عام طور پر جمہور کے پاس ہوتے ہیں ان ہی میں زکوٰۃ رکھی ہے، مخصوص آدمیوں کے پاس جو مال ہوتا ہے اس میں زکوٰۃ نہیں رکھی۔ بکریاں، گائے، بھینس، اونٹ جہاں لوگ پالتے ہیں سبھی پالتے ہیں، جب گولڈ اور سلور کرنسی تھے تو ہر آدمی کے پاس تھے اور ہیرے جواہرات بنیوں کے پاس ہی ہوتے ہیں، ہیرے بڑے مہنگے ہوتے ہیں مگر ان میں زکوٰۃ نہیں، زکوٰۃ جو شریعت نے فرض کی ہے اس میں اس کا لحاظ کیا ہے کہ وہ اموال عام طور پر لوگوں کے پاس پائے جاتے ہوں، مخصوص لوگوں کے پاس جو اموال ہوتے ہیں ان میں زکوٰۃ نہیں۔

زکوۃ میں غناء کا لحاظ ہے

دوم: زکوٰۃ فرض کرتے وقت غنا (بے نیازی) کا لحاظ رکھا گیا ہے، جس مال کی آدمی کو ضرورت نہیں، اسی میں زکوٰۃ رکھی ہے اور جو مال ضرورت میں مشغول ہے اس میں زکوٰۃ نہیں رکھی، شریعت نے یہ طے کیا ہے کہ جو قابلِ زکوٰۃ اموال ہیں ان میں ایک معتدبہ مقدار (نصاب) ہونی چاہئے، جیب میں صرف دس

ڈالر ہونے سے بے نیازی نہیں پائی جاتی، پھر وہ نصاب سال بھر اس کے پاس رہے۔ معلوم ہوا کہ اس کی ضرورت سے زائد ہے اور ضرورت سے زائد ہونے کا نام غنا (بے نیازی) ہے، یہی مالداری ہے، صبح کو لاکھ دو لاکھ آئے، شام کو خرچ ہو گئے تو اس کا نام بے نیازی نہیں ہے۔

زکوٰۃ اصل مال میں نہیں، بڑھے ہوئے مال میں ہے

سوم: شریعت نے مال میں جو بڑھوتری ہوتی ہے اس میں زکوٰۃ واجب کی ہے، اصل مال میں زکوٰۃ واجب نہیں کی۔ ایک آدمی کے پاس چالیس بکریاں ہیں، وہ ایک سال تک اس کی ملکیت میں رہیں تو سال بھر میں پندرہ بیس بچے پیدا ہو جائیں گے، اب شریعت کہتی ہے کہ جب سال پورا ہو جائے تو ایک بکری زکوٰۃ میں دو، بیس بکریاں بڑھ گئیں تو اگر شریعت نے ایک بکری لے لی تو کیا پریشانی کھڑی ہوئی؟ چالیس بکریاں آتے ہی فوراً ایک بکری نہیں لی، سال پورا ہونے پر لی ہے۔ یہی حال گایوں، بھینسوں کا ہے۔ غرض شریعت نے زکوٰۃ زائد اموال میں رکھی ہے، اصل مال میں زکوٰۃ نہیں رکھی۔ پھر اس میں یہ بھی شرط ہے کہ جانور سائمہ ہوں، یعنی سال کا اکثر حصہ جنگل کی مباح گھاس چرتے ہوں تو زکوٰۃ ہے اور اگر کوئی اپنے کھیت میں گھاس اُگا کر جانوروں کو کھلائے یا چارہ خرید کر جانوروں کو کھلائے (یعنی جانور علوفہ ہوں) تو زکوٰۃ نہیں۔

اسی طرح عوامل یعنی وہ جانور جو سواری میں، ہل جوتنے میں، گاڑی وغیرہ کھینچنے میں استعمال ہوتے ہیں ان میں بھی زکوٰۃ نہیں رکھی، یہ عوامل اگر مادہ ہوں تب بھی ان میں زکوٰۃ نہیں۔ اسی طرح اگر سب جانور نابالغ (بچے) ہوں تو بھی ان میں زکوٰۃ نہیں، کیوں کہ وہ بچے نہیں دیں گے، اس لئے بڑھوتری نہیں ہو سکتی۔

سوال: جانور تو بچے دیتے ہیں لیکن گولڈ سلور اور کرنسی کہاں بچے دیتے ہیں؟ مالِ تجارت بے شک بڑھتا ہے مگر مذکورہ تین چیزیں نہیں بڑھتیں، پھر ان میں زکوٰۃ کیوں ہے؟

جواب: شریعت نے ان میں نماء تقدیری مانا ہے یعنی بڑھوتری فرض کر لی ہے، کیوں کہ سونا، چاندی اور کرنسی کاروبار میں لگانے کی چیزیں ہیں، اب اگر کوئی بینک یا تجوری میں رکھے رہے تو یہ اس کی کوتاہی ہے۔ گولڈ، سلور اور کرنسی کاروبار میں لگا کر بڑھانے کے لئے ہیں۔

جو اموال گردش میں رہتے ہیں ان میں زکوٰۃ کم رکھی ہے

چہارم: پھر شریعت نے ایک لحاظ یہ بھی کیا ہے کہ جو اموال گردش میں رہتے ہیں ان میں زکوٰۃ کم رکھی ہے اور جو گردش میں نہیں رہتے ان میں نسبتاً زکوٰۃ زیادہ رکھی ہے، کھیت میں دس من پیداوار ہو تو ایک من عشر

واجب ہوگا یعنی دس فیصد اور گولڈ، سلور، کرنسی اور اموالِ تجارت میں چالیس فیصد زکوٰۃ ہے، کیوں کہ زمین میں سال میں ایک دومرتبہ پیداوار ہوتی ہے، اس لئے اس میں زکوٰۃ زیادہ رکھی اور گولڈ وغیرہ اموال گردش میں رہتے ہیں اس لئے ان میں زکوٰۃ کم رکھی، تاکہ لوگوں پر زکوٰۃ ادا کرنے میں زیادہ بوجھ نہ پڑے۔

سونا، چاندی اور اموالِ تجارت کا نصاب

اگر کسی کے پاس صرف چاندی ہوتو اس کا نصاب چھ سو بارہ گرام چاندی ہے، یہ دوسو درہم کا وزن ہے، یہی ساڑھے باون تولہ ہے اور اگر کسی کے پاس صرف سونا ہوتو ایک رائے یہ ہے کہ سونا چاندی پر محمول ہے، یعنی چھ سو بارہ گرام چاندی کی قیمت کے بقدر سونا ہوتو وہ صاحبِ نصاب ہے، پس سونے کا کوئی مستقل نصاب نہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی یہی رائے ہے اور متقدمین میں سے کئی حضرات کی یہی رائے تھی اور حضور ﷺ کے زمانہ میں دس ایک کا حساب تھا، ایک دینار کے دس درہم آتے تھے۔ حدیثوں میں جو بیس دینار آئے ہیں وہ سو درہم کی قیمت تھی، بعد میں یہ حساب بدل گیا۔ چاندی بہت نیچے آ گئی اور سونا بہت اوپر چلا گیا، پس آج بھی چاندی کے نصاب کا اعتبار ہوگا۔ لیکن چاروں مذاہب میں فتویٰ اس پر ہے کہ چاندی کا نصاب الگ ہے اور سونے کا نصاب الگ ہے، ساڑھے سات تولے (بیس مثقال) یعنی ستاسی گرام، پوائنٹ پندرہ (87.15) سونے کا نصاب ہے اور اس سلسلے میں تین حدیثیں ہیں اور تینوں میں ضعف ہے مگر تینوں مل کر قوی ہو جاتی ہیں۔

مخلوط اموال کا نصاب

اور اگر تھوڑی چاندی اور تھوڑا سونا ہو یا ساتھ میں کرنسی بھی ہوتو چاندی کے نصاب کا اعتبار ہے، چاندی کی قیمت بازار میں پوچھ کر کاغذ پر لکھو، سونے کی قیمت پوچھ کر اس کو بھی کاغذ پر لکھو اور کرنسی کو بھی ملاؤ، پھر اگر ٹوٹل چاندی کے نصاب (چھ سو بارہ گرام) کی قیمت کے بقدر ہو جائے تو زکوٰۃ واجب ہے۔ غرض ایسی صورت میں چاندی کے نصاب کا اعتبار ہوگا، سونے کے نصاب کا اعتبار نہیں ہوگا کیوں کہ وہی انفع للفقراء ہے، فتویٰ چاروں ائمہ کے یہاں اسی پر ہے۔

قیمتی کرنسی میں سونے کا اعتبار ہے یا چاندی کا؟

جو ہیوی (بھاری) کرنسیاں ہیں ان میں سونے کے نصاب کا اعتبار کرتا ہوں، پس جب بھاری کرنسی میں گولڈ کے نصاب کا اعتبار کر لیا تو اگر ٹوٹل ستاسی گرام کے بقدر ہو جائے اور اتنی مالیت پورے سال کسی کے

پاس رہے تو زکوٰۃ واجب ہوگی، میں چاندی کے نصاب کا اعتبار بھاری کرنسی میں نہیں کرتا کیوں کہ وہ بے قدر مالیت ہوتی ہے اور بھاری کرنسیاں، پاؤنڈ، ڈالر اور دینار ہیں لیکن فتویٰ چاروں ائمہ کے یہاں اس پر ہے کہ چاندی کے نصاب کا اعتبار ہے۔

اموالِ زکوٰۃ کے نصابوں کی پانچ اجناس اور بڑا نصاب

اموالِ زکوٰۃ کی پانچ اجناس ہیں اور وہ الگ الگ ہیں، ایک کو دوسرے کے ساتھ نہیں ملائیں گے اور ہر جنس کا ایک نصاب طے کیا گیا ہے اور یہ بڑا نصاب کہلاتا ہے، اس کے علاوہ ایک چھوٹا نصاب بھی ہے، چھوٹے نصاب سے پانچ احکام متعلق ہیں اور بڑے نصاب سے چھ۔

پہلی جنس: اگر کسی کے پاس اونٹ ہوں اور وہ جنگل کی مباح گھاس سال کا بیشتر حصہ کھاتے ہوں (یعنی سائمہ ہوں) تو ان کا نصاب پانچ اونٹ ہیں، اس سے کم میں زکوٰۃ نہیں۔

دوسری جنس: گائیں اور بھینسیں ایک ہی خاندان ہیں، ان کا نصاب تیس ہے، بشرطیکہ وہ سائمہ ہوں علوفہ نہ ہوں، تیس سے کم میں زکوٰۃ نہیں۔

تیسری جنس: بھیڑ، بکریاں بھی ایک خاندان ہیں، ان کا نصاب چالیس ہے بشرطیکہ وہ سائمہ ہوں، چالیس سے کم میں زکوٰۃ نہیں۔

چوتھی جنس: زمین کی پیداوار ہے۔ اگر سینچائی پر خرچ کیا گیا ہے یا محنت کی گئی ہے تو پیداوار کا بیسواں حصہ واجب ہے اور اگر سینچائی پر خرچ نہیں کیا گیا، بارش سے پیداوار ہوئی ہے تو پیداوار کا دسواں حصہ واجب ہے، اس کے علاوہ دوسرے خرچے: ہل جوتنا، بیج ڈالنا، کھاد ڈالنا وغیرہ نہیں دیکھے جائیں گے، اس زکوٰۃ کو عشر کہتے ہیں اور یہ حکومت وصول کرتی ہے اور غریبوں پر خرچ کرتی ہے۔

اسلامی اور غیر اسلامی ملکوں کی زمینوں میں عشر کا مسئلہ

ملک تین قسم کے ہیں: ایک اسلامی ملک۔ دوسرا: وہ ملک جو کبھی اسلامی تھا، پھر مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا جیسے انڈیا۔ تیسرا: وہ ملک جو کبھی بھی اسلامی ملک نہیں بنا جیسے کناڈا۔ ان سب کی زمینوں کے احکام الگ الگ ہیں۔

وہ ملک جو اسلامی ہیں ان کی زمینیں دو قسم کی ہیں: وہ ہیں جو قدرتی دریاؤں سے سینچی جاتی ہیں اور

شروع سے زمین کے مالک مسلمان ہیں تو ان میں عشر (دسواں حصہ) واجب ہے اور اگر وہ زمینیں کنوؤں سے یا ٹیوب ویل سے سینچی جاتی ہیں تو ان میں بیسواں حصہ واجب ہے۔ دوسری قسم: وہ زمینیں ہیں جو اگرچہ قدرتی دریاؤں سے سینچی گئی ہوں مگر وہ زمینیں پہلے غیر مسلموں کے پاس رہی ہیں، ان کے پاس سے مسلمانوں کے پاس آئی ہیں تو ان میں عشر نہیں بلکہ بیگہ (خراج) لیا جاتا ہے، خراج حکومت لیتی ہے اور اس کا بڑا حصہ فوج پر اور ملک کی ترقی میں خرچ ہوتا ہے۔

اور وہ ملک جو کبھی مسلمانوں کے ہاتھ رہے ہیں، پھر وہ مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے جیسے انڈیا تو ایسے ملکوں کے بارے میں فتویٰ ہے کہ چوں کہ وہاں گورنمنٹ زمینوں سے بیگہ لیتی ہے اس لئے ان زمینوں میں عشر واجب نہیں کیوں کہ دو مؤنتیں (خرچ) جمع نہیں ہوتیں، البتہ مستحب یہ ہے کہ ان کا بھی عشر نکالا جائے۔

تیسرے وہ ملک ہیں جو کبھی بھی اسلامی نہیں بنے، جیسے کناڈا۔ اس میں بہ درجۂ اولیٰ عشر واجب نہیں، جب انڈیا جیسے ملک میں عشر واجب نہیں تو اس تیسری قسم کے ملکوں میں عشر کیسے واجب ہوگا؟ یہاں بھی صرف استحباب ہوگا۔ بہر حال یہ جو زمین کا عشر لیا جاتا ہے وہ زکوٰۃ کے حکم میں ہے اور یہ ایک مستقل جنس ہے۔

پانچویں جنس: میں چار چیزیں شامل ہیں اور چاروں مل کر ایک جنس ہیں: سونا، چاندی، کرنسی اور اموالِ تجارت۔ اگر صرف سونا ہے تو اس کا نصاب گذر چکا، اگر صرف چاندی ہے تو اس کا نصاب بھی گذر چکا، اگر صرف کرنسی یا اموالِ تجارت ہیں تو چاندی کے نصاب سے موازنہ کریں گے یا سونے کے نصاب سے؟ مفتیوں کا فتویٰ یہ ہے کہ چاندی کے نصاب سے موازنہ کریں گے اور میں کہتا ہوں: جو بھاری کرنسیاں ہیں ان کو سونے کے نصاب سے موازنہ کریں گے۔

اور اگر تھوڑا سونا، تھوڑی چاندی، تھوڑی کرنسی اور تھوڑا مال تجارت ہے تو سب کی قیمت لگائیں گے۔ اگر چاندی یا سونے کے نصاب کے بقدر ہو جائے تو حولانِ حول پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ یہ پانچ اجناس ہیں، ان میں سے زمین کی پیداوار کو الگ کر دیں، باقی چار اجناس بڑا نصاب ہیں۔ یہ قدرت میسرہ والا نصاب ہے۔

چھوٹا نصاب اور اس سے متعلق احکام

اور ایک چھوٹا نصاب ہے یعنی قدرتِ ممکنہ والا نصاب۔ اور وہ یہ ہے کہ انسان کی اپنی حاجاتِ اصلیہ میں جو چیزیں مشغول ہیں ان کو الگ کر لیا جائے اور جو ضرورت سے زائد چیزیں ہیں ان کی قیمت لگائی جائے اور وہ نصاب میں گنی جائیں۔ جیسے اتنی زمین جس سے اس کی فیملی کا گزارہ چل سکے، اس کی حاجت

میں مشغول ہے، اس سے زائد زمین قیمت لگا کر نصاب میں آئے گی، اگر مکانات ہیں اور ان کے کرایوں سے اس کا گذارہ ہوتا ہے تو اتنے مکان جن سے اس کا اور اس کی فیملی کا گذارہ ہو سکے الگ کر لئے جائیں گے، اس سے زائد جو مکان ہیں ان کی قیمت لگ کر نصاب میں آئے گی۔ گھر میں برتن بھرے ہوئے ہیں، مردوں یا عورتوں کے پاس بے حساب کپڑے ہیں، پس جو برتن یا کپڑے ضرورت کے ہیں ان کو الگ کر لیا جائے گا، باقی زائد کپڑے اور برتن قیمت لگا کر نصاب میں آئیں گے۔ پھر چاندی کے نصاب کے بقدر یا سونے کے نصاب کے بقدر مالیت ہو جائے تو وہ چھوٹے نصاب کا مالک ہو گیا۔

چھوٹے نصاب سے پانچ احکام متعلق ہیں: ۱-اس پر قربانی واجب ہے۔ ۲-اس پر صدقۂ فطر واجب ہے۔ ۳-اس کے لئے زکوٰۃ لینا حرام ہے، وہ غنی ہے، اس کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ ۴-اس پر حج فرض ہے۔ اگر رقم حج کے لئے کافی ہو۔ ۵-اس پر ددھیال اور ننھیال کے ایسے مرد یا عورت کا جو کمانے کے قابل نہیں اور غریب ہیں ان کا نفقہ واجب ہے۔

اور جس کے پاس بڑا نصاب ہے یعنی پانچ اونٹ یا تیس گائیں بھینس یا چالیس بکریاں یا سونا، چاندی، کرنسی یا اموالِ تجارت کا نصاب ہے: اس پر چھ چیزیں واجب ہیں۔ پانچ وہی اور چھٹی چیز: اس پر زکوٰۃ نکالنا فرض ہے۔

تجارت کا مال کون سا ہے؟

وہ چیز جسے خریدا گیا ہے بیچنے کی نیت سے: وہ تجارت کا مال ہے اور اگر خریدتے وقت بیچنے کی نیت نہیں تھی تو وہ تجارت کا مال نہیں، پھر وہ کیوں خریدی ہے؟ خریدی تھی کرایہ پر دینے کے لئے اور اس سے پیسہ کمانے کے لئے تو یہ تجارت کی چیز نہیں ہے، یا اس لئے خریدی تھی کہ بچے بڑے ہوں گے اور مکان کی ضرورت پڑے گی، پس ان کے مکان اسی زمین میں بناویں گے اور اگر کوئی اچھی قیمت آئے گی تو بیچ بھی دیں گے۔ یہ بھی تجارت کی چیز نہیں، یا ہمارے کھیت میں جو پیداوار ہوتی ہے اور وہ کھانے کی نہیں ہے جیسے کپاس، سرسوں وغیرہ، کسان لامحالہ اس کو بیچے گا، یا کھانے کا اناج پیدا ہوتا ہے، مگر تین من ہم کھائیں گے اور پیداوار ہوئی ہے دو سو من، پس باقی کسان بیچے گا مگر یہ بھی تجارت کا مال نہیں، وہ جب تک رکھی رہے گی اس میں کوئی زکوٰۃ نہیں، جب اسے بیچ دیں گے اور پیسہ بیلنس میں آ جائے گا تو بیلنس پر جب سال پورا ہوگا تو اس نئے پیسے پر بھی بیلنس میں شامل ہو کر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ البتہ اگر کسی نے کپاس، سرسوں اس لئے خریدا ہے کہ

جب ریٹ بڑھیں گے بیچ دیں گے تو یہ تجارت کا مال ہے، اسی طرح اگر مکان خریدا ہے کرایہ پر اٹھانے کے لئے، بیچنے کے لئے نہیں خریدا، ہاں اگر کبھی اچھے پیسے ملے تو بیچ بھی دیں گے تو اس مکان پر زکوٰۃ نہیں، بلکہ اس کا کرایہ بیلنس میں جائے گا اور سال پورا ہونے پر کرایہ پر بیلنس میں شامل ہو کر زکوٰۃ آئے گی۔

زکوٰۃ میں کون سا قرض منہا اور کون سا شامل ہوتا ہے؟

جاننا چاہئے کہ زکوٰۃ کا حساب کرتے وقت بیلنس میں سے سب سے پہلے آپ قرضہ لیس (منہا) کریں، پھر جو باقی بچے اس پر زکوٰۃ آئے گی اور قرض تین قسم کے ہیں:

۱-قوی قرض: جو آپ کسی بھی وقت وصول کر سکتے ہیں یا آپ سے کسی بھی وقت مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ قرض حسنہ ہے، یہ قرض آپ کو لینا ہے تو بیلنس میں ایڈ (شامل) ہوگا اور اگر دینا ہے تو لیس (منہا) ہوگا۔

۲-ضعیف قرض: جیسے بیوی کے دو مہر ہوتے ہیں ایک کیش (معجّل) دوسرا ادھار (مؤجل)۔کیش مہر تو قرض ہے وہ بہر حال دینا ہے، لیکن جو ادھار مہر ہے وہ موت یا طلاق تک نہیں مانگا جاتا، پس وہ کمزور قرض ہے، لہٰذا عورت مہر کو اپنے بیلنس میں ایڈ نہیں کرے گی اور شوہر اپنے بیلنس سے لیس نہیں کرے گا۔

اور آج اس کی بے شمار مثالیں پائی جاتی ہیں، لوگ قسطوں پر گھر خریدتے ہیں، مشین خریدتے ہیں، پروپرٹی، ٹی وی وغیرہ خریدتے ہیں، پس جو قسط پک گئی وہ قوی قرض ہے اور جو قسطیں ابھی کچی ہیں وہ سب ضعیف قرضے ہیں، وہ نہ لیس ہوں گے، نہ ایڈ، کیوں کہ وہ قسطیں ابھی مانگنے کا حق نہیں اور جو قسط پک گئی جو کسی بھی وقت مانگی جا سکتی ہے، وہ قوی قرضہ ہے۔

مصنوعات اور خام مال کا حکم

اس کے علاوہ ایک نئی شکل پروڈکشن کی نکلی ہے، بڑے بڑے کارخانے ہوتے ہیں، ان میں لاکھوں روپے کا خام مال ہوتا ہے، وہ خام مال بیچنے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ مصنوعات اس سے تیار ہوتی ہیں، پھر وہ مصنوعات بیچی جاتی ہیں یا جیسے مرغی فارم میں مرغیاں انڈے دینے کے لئے ہوتی ہیں، بیچنے کے لئے نہیں ہوتیں، یا بیچنے کے لئے ہوتی ہیں مگر جب ایک کلو کی ہو جائیں تب بکیں گی، اس سے پہلے نہیں بکیں گی۔ یہ سب پروڈکشن ہے۔

اس بارے میں دار العلوم دیوبند کا فتویٰ یہ ہے کہ خام مال پر بھی زکوٰۃ واجب ہے، وہ فروختگی کا مال

ہے لیکن میں خام مال کو تجارت کے مال میں نہیں شمار کرتا کیوں کہ جیسے مشینوں میں زکوٰۃ واجب نہیں کیوں کہ وہ ذرائع اور آلات ہیں، ایسے ہی یہ خام مال بھی ذریعہ ہے، پھر جب اس کی مصنوعات تیار ہوگئیں تو اب بھی ان پر زکوٰۃ نہیں، جیسے آپ کے کھیت میں گیہوں پیدا ہوئے تو جب تک وہ بک نہ جائیں ان پر زکوٰۃ نہیں، ایسے ہی کارخانے کا معاملہ ہے، جو چیز تیار ہوئی ہے اس پر زکوٰۃ نہیں، ہاں جب مال بک جائے تو اس کی قیمت بیلنس میں ایڈ ہوگی اور بیلنس پر جب سال پورا ہوگا تو اس پر بھی زکوٰۃ آئے گی۔ لیکن دارالافتاء کے نزدیک یہ خام مال تجارتی مال ہے، اس پر زکوٰۃ آئے گی۔ لہٰذا اگر کوئی دارالافتاء کے فتویٰ پر عمل کرے تو اس میں احتیاط ہے۔

۳- متوسط قرض: کسی نے قرض لے رکھا ہے، وہ انکار بھی نہیں کرتا اور دیتا بھی نہیں، پس اگر ایسا قرض دینا ہے تو بیلنس میں لیس ہوگا، دینا ہے تو دیدو، اس کو روک کیوں رکھا ہے۔ لینا ہے تو اس میں ہمارا اختیار نہیں ہے، لہٰذا وہ فی الحال ایڈ نہیں ہوگا، لیکن جب وصول ہوگا گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ دینی پڑے گی۔

تجارت مال میں اعتبار مارکیٹ ویلیو کا ہے یا خرید قیمت کا یا نفع کا؟

تجارتی اموال میں کون سی قیمت کا اعتبار ہے، خرید قیمت کا یا جو ہم بیچیں گے اس قیمت کا یا مارکیٹ ویلیو کا؟

جواب: مارکیٹ ویلیو کا اعتبار ہے اور خریدی ہوئی قیمت اور مارکیٹ ویلیو عام طور پر ایک ہوتے ہیں، اگر مدت لمبی نہیں ہوئی اور اگر مدت لمبی ہوگئی جیسے ایک پلاٹ خریدا ہے اور تین سال سے پڑا ہے تو اب مارکیٹ ویلیو بدلے گی، گھٹ بھی سکتی ہے اور بڑھ بھی سکتی ہے، لیکن اگر مال آج آیا اور مہینہ میں ہی بک گیا تو اس کی خرید قیمت اور مارکیٹ ویلیو عام طور پر ایک ہوتی ہے اور جو نفع کے ساتھ بیچنا ہے جیسے ایک روپے کی چیز ڈیڑھ روپے میں بکے گی تو اس نفع (پچاس پیسے) کا اعتبار زکوٰۃ کے باب میں نہیں ہے، وہ نفع ہے جب ملے گا ملے گا، اس کا ملنا کوئی ضروری نہیں، ہوسکتا ہے اس سے پہلے چوری ہوجائے یا قیمت گھٹ جائے۔ لہٰذا اگر مارکیٹ ویلیو اور خرید کا زمانہ قریب ہے تو وہاں تو دونوں ایک ہی ہوتے ہیں اور اگر زمانہ بعید ہوگیا ہے تو مارکیٹ ویلیو کا اعتبار ہوگا، خرید کا اعتبار نہیں۔ یہ چند ضروری مسائل ہیں جو میں آپ کے حضرات کے سامنے عرض کئے۔

❁ .... ❁ .... ❁

قسط (۳)

ہندوستان میں
اسلام کی اشاعت کیوں کر ہوئی

علامہ سید سلیمان ندویؒ

عجائب الہند کی روایت کے مطابق تو ہندوستان کے جزیروں میں سب سے پہلے سرندیپ میں اسلام کا نور چمکا، عرب جغرافیہ نویسوں نے اس جزیرہ کے لوگوں کے جو مذہبی حالات لکھے ہیں، ان سے یہ قطعاً ثابت ہوتا ہے کہ یہاں کے باشندے بودھ مت کے پیرو تھے، بزرگ بن شہریار لکھتا ہے کہ ہندوستان کے پجاریوں، عابدوں اور زاہدوں (جوگیوں اور بھکشوؤں) کی کئی قسمیں ہیں، ان میں سے ایک بیکور (بیکوڈا) ہیں اور ان کی اصل سرندیپ سے ہے اور یہ مسلمانوں سے بہت محبت رکھتے ہیں اور ان کی طرف ان کا میلان بہت ہے اور گرمی میں یہ ننگے رہتے ہیں، صرف چند انگل کی دھجی کمر میں باندھتے ہیں اور جاڑوں میں چٹائی اوڑھتے ہیں، دوسرے وہ ہیں جو کپڑے پہنتے ہیں ان کے یہ کپڑے مختلف رنگ برنگ کے ٹکڑوں کو سی کر بنائے جاتے ہیں اور اس سے ان کا مقصود اپنا امتیاز اور شہرت ہے اور بدن پر مردوں کی ہڈیاں جلا کر اس کی راکھ ملتے ہیں اور داڑھی کے بال منڈاتے ہیں، لیکن بدن کے اور حصوں کے بال ویسے ہی چھوڑ دیتے ہیں اور گلے میں کسی مردہ کی کھوپڑی لٹکائے رہتے ہیں اور غیرت اور تواضع کے لئے اسی میں کھاتے ہیں۔

اہل سرندیپ کو جب آں حضرت ﷺ کا حال بتایا اور باتیں بتائیں، وہ لوٹ کر آیا تو مکران (قریب بلوچستان) میں اس کا انتقال ہوگیا، اس کے ساتھ اس کا رفیق سفر غلام تھا، وہ صحیح سلامت سرندیپ پہنچا اور وہاں کے لوگوں کو سب حال سنایا۔ آں حضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کی جو کیفیت سنی تھی وہ بتائی اور حضرت عمرؓ کے واقعات ان کو سنائے اور منجملہ ان کے یہ بھی کہا کہ وہ بھی پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے ہیں، مسجد میں سوتے ہیں اور نہایت خاکسارانہ زندگی بسر کرتے ہیں، اب یہ لوگ مسلمانوں کے ساتھ جو یہ تواضع اور محبت

کرتے اور یہ میلان خاطر رکھتے ہیں وہ اسی سبب سے ہے۔(عجائب الہند، مطبوعہ لیڈن، ص:۱۵۶-۱۵۷)

اس تفصیل سے ظاہر ہوگا کہ بدھ مت کے پیرووں کو اسلام کے ساتھ ایک خاص مناسبت پیدا ہوگئی تھی اور جس چیز کو وہ تلاش کرتے تھے وہ ان کو اس مذہب میں ملتی تھی۔

اب وہ زمانہ آگیا تھا کہ عرب تاجروں کے ساتھ درویشوں کی کوششیں بھی شامل ہوگئی تھیں، چنانچہ ان کی کوشش سے سرندیپ کے بعد اسلام کا نور ملیبار کے علاقہ میں چمکتا نظر آتا ہے۔ تاریخ فرشتہ میں ''تحفۃ المجاہدین'' کے حوالے سے یہ قصہ منقول ہے کہ ہجرت کی دو صدیاں گذر چکی تھیں، ہر مذہب کے تاجروں اور سوداگروں کا یہاں گذر تھا کہ عرب وعجم کو چند مسلمان فقراء کا گذر اہو، جو سراندیپ حضرت آدم وحوا کی قدم گاہ کی زیارت کو جارہے تھے، بادمخالف کی جھپٹ سے وہ ملیبار کے ساحل پر پہنچ گئے، شہر کدانکلور (گرانگانور) میں جا کر وہ اترے، وہاں کا راجہ جس کو سامری (زیمور) کہتے ہیں وہ نہایت عقل مند تھا، وہ ان بزرگوں کی صحبت سے مستفید ہوا اور ہر قسم کی گفتگو درمیان میں آئی، منجملہ ان کے مذہب کی بحث بھی آئی، ان درویشوں نے اپنا مذہب اسلام بتایا، زیمور نے کہا کہ ہمارے ملک میں جو یہود ونصاریٰ اور ہنود ہیں جو تمہارے مذہب کے مخالف ہیں اور دنیا کی سیاحت کئے ہوئے ہیں، ان سے سنا ہے کہ عرب وعجم اور ترکوں کے ملکوں میں یہ مذہب پوری طرح پھیلا ہوا ہے، لیکن اب تک مجھ کو مسلمانوں کی صحبت نہیں ملی ہے، اپنے پیغمبر کے کچھ احوال بیان کرو۔ ایک درویش نے جو علم وصلاح سے آراستہ تھا، تقریر شروع کی اور آپ کے معجزات کو اس خوبی سے بیان کیا کہ راجہ متاثر ہوگیا اور کلمہ طیبہ ادا کرکے مسلمان ہوگیا، لیکن اپنے مذہب کو مخفی رکھا اور مسلمانوں کو بھی تاکید کی کہ وہ اس راز کو فاش نہ کریں اور یہ درخواست کی کہ سرندیپ سے واپسی میں پھر ادھر ہی سے تشریف لے جایئے، واپسی میں راجہ بھی حیلہ سے درویشوں کے ساتھ چھپ کر روانہ ہوگیا اور ملک کو اپنے وزیروں کے سپرد کرگیا، راجہ عرب پہنچ کر مرگیا اور مرتے وقت وصیت کی کہ چوں کہ ہم سب کا مقصود ملیبار میں دین اسلام کی اشاعت ہے، اس لئے بہتر ہے کہ آپ لوگ تجارت اور بیوپار کے ذریعہ سے وہاں آمد ورفت کیجئے اور وہاں قیام کیجئے، مکانات بنایئے تاکہ لوگ دین محمدی کی طرف رجوع کریں اور اس کے بعد اس نے اپنے مہری خطوط اپنی زبان میں لکھ کر حوالہ کئے کہ ملیبار جا کر وہاں کے حاکموں کو دکھایئے۔ چنانچہ یہ لوگ ملیبار واپس آئے، یہاں کا حاکم خط دیکھ کر مہربان ہوا اور یہاں اسلام کی اشاعت کی، پہلے کدانکلور (گرانگانور) میں مسجد بنائی، پھر کولم میں مسجد بنی، پھر ہوبائی، سورادی، گندآرید، جالیٹ (کالت) باگنو، منگلور اور کالنجر کوٹ میں مسجدیں بنائیں اور یہاں مسلمانوں کی عزت ہونے لگی۔(تاریخ فرشتہ، بحوالہ تحفۃ المجاہدین، ج۲ص:۳۷۰)

تیسری صدی کے آخر اور چوتھی صدی کے شروع میں مشہور مورخ اور سیاح مسعودی بغداد سے

ہندوستان آیا تھا۔(مروج الذہب مسعودی، ج۱ص:۳۷۶،مطبع پیرس)

وہ ہندوستان کے جنوبی ساحلی شہروں میں کھبنایت، تھانہ، گجرات، طاقن یا دکھن، راجہ بلہرا یا بلبھ رائے کی سلطنت اور اس کے دارالسلطنت مانگیر اور زیمور میں لار (یا ملیبار) کے راجہ کا ذکر کرتا ہے، مسلمانوں کی محبت وعداوت کی حیثیت سے وہ ہندوراجاؤں کی نسبت وہی خیالات کسی قدر اضافہ کے ساتھ بیان کرتا ہے، جن کو سلیمان تاجر اپنے سفر نامہ میں اس سے ساٹھ پینسٹھ برس پیشتر ظاہر کر چکا تھا، اس عرصہ میں ان علاقوں میں اسلام بہت کچھ آگے بڑھ گیا تھا۔

مسعودی کی شہادت ہے کہ سندھ اور ہند کے تمام راجاؤں میں سے راجہ بلہرا کے راج کی طرح اور کسی راج میں مسلمانوں کو اتنی عزت نہیں، اسلام اس راجہ کی حکومت میں معزز اور محفوظ ہے اور ان کے ملک میں مسلمانوں کی مسجدیں اور جامع مسجد بنی ہوئی ہے، جو آباد ہیں، یہاں کے بادشاہ چالیس چالیس اور پچاس پچاس برس حکومت کرتے ہیں، یہاں کے لوگوں کا اعتقاد ہے کہ ہمارے راجاؤں کی عمریں اسی عدل اور مسلمانوں کی عزت کی وجہ سے زیادہ ہوتی ہیں۔(مروج الذہب مسعودی، ج۱ص:۳۸۲)

گجرات کا راجہ مسلمانوں سے اب تک وہی نفرت رکھتا ہے، دکھن کے راج میں مسلمانوں کی عزت ویسی ہی ہے اور راجہ صلح پسند ہے۔(حوالہ سابق،ص:۳۸۴)

مسعودی ۳۰۴ھ میں زیمور کے ملک میں اپنا آنا بیان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ:

''یہاں خالص اور مخلوط النسل مسلمانوں کی جن کو یہاں 'بیسر' کہتے ہیں، دس ہزار کی آبادی ہے، یہ سیراف، عمان، بصرہ، بغداد اور دوسرے شہروں کے وہ لوگ ہیں جو یہاں آباد ہوگئے ہیں اور یہیں انہوں نے شادی بیاہ کر لیا ہے اور یہیں سکونت اختیار کر لی ہے اور ان میں بعض نامی تاجر ہیں جیسے موسیٰ بن اسحاق اور آج کل یہاں مسلمانوں کا رئیس (ہنرمند) ابوسعید معروف بن زکریا ہے اور ''بیسرو'' وہ مسلمان کہلاتے ہیں جو ہندوستان میں پیدا ہوئے ہیں۔''(حوالہ سابق، ج۲ص:۸۶،۸۵)

اس اقتباس سے ظاہر ہوگا کہ مسلمانوں کی تعداد عہد بعہد ترقی کرتی جاتی ہے اور ان کی ترقی کا ایک ذریعہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے اسی ملک کے لوگوں میں شادی بیاہ شروع کر دیا ہے۔ابن سعید مغربی پانچویں صدی میں ملک مراکش میں بیٹھ کر جغرافیہ فلکی کی ایک کتاب ترتیب دیتا ہے، اس کے بیچ بیچ میں کہیں کہیں جنوبی ہندوستان کے شہروں کے نام لیتا ہے اور ان شہروں کی اسلامی آبادیوں کی طرف اشارہ کرتا ہے، یہ وہ زمانہ ہے جب مسلمان

گو پنجاب میں داخل ہو گئے ہیں لیکن بقیہ ہندوستان اب تک ان کے حملوں سے سرتاسر محفوظ ہے، تاہم ابن سعید مغربی کہتا ہے کہ ''تھانہ گجرات کا آخری شہر ہے اور ہندوستان اس کے ساحل پر سب کفار آباد ہیں جو بتوں کو پوجتے ہیں لیکن وہ اپنے ساتھ مسلمانوں کو بھی بساتے ہیں۔(تقویم البلدان ابوالفدا ء، مطبوعہ پیرس ۱۸۴۰ء، ۳۵۹)

کھنبایت (گجرات) کے متعلق ابن سعید لکھتا ہے کہ ''وہ ہندوستان کے ساحلی شہروں میں سے ہے، جہاں تاجر جایا کرتے ہیں اور وہاں مسلمان آباد ہیں۔'' (حوالہ سابق، ص: ۳۵۷)

کولم (مدراس) کے متعلق بیان کرتا ہے کہ ''کولم مسالے والے ملک کا آخری شہر ہے، سمندر کے کنارے واقع ہے، یہاں مسلمانوں کا ایک محلّہ ہے اور ان کی جامع مسجد بھی ہے۔'' (حوالہ سابق، ص: ۳۶۱)

اس بیان کے کم وبیش سوا سو برس کے بعد ابن بطوطہ ہندوستان آتا ہے اور محمد تغلق سلطان دہلی کی طرف سے سفیر ہو کر چین روانہ ہوتا ہے، وہ دہلی سے دولت آباد (دکن) ہو کر کرناٹک (معبر) کی راہ سے ملیبار، کولم اور کالی کٹ پہنچتا ہے، جہاں سے اس زمانہ میں جہازات چین ہو کر روانہ ہوا کرتے تھے، جہاز تباہ ہوتا ہے اور ابن بطوطہ واپس آ کر جزائر، مالدیپ، سراندیپ (سیلون) اور جاوہ وغیرہ کی سیر کرتا ہے اور پھر ملیبار آ کر خشکی سے کنارہ کنارہ بنگال سے آسام ہو کر چین چلا جاتا ہے۔

ابن بطوطہ ان تمام راستوں میں جہاں جہاں مسلمانوں کی آبادیاں ملتی ہیں یا مسلمان افراد سے ملاقاتیں ہوتی ہیں، ان سب کا تذکرہ کرتا ہے، لیکن اب یہ صاف نظر آتا ہے کہ مسلمان تاجروں کے ساتھ ساتھ مسلمان صوفیاء اور فقراء کے دستے بھی ملتے جاتے ہیں اور چوں کہ ان فقراء کی ظاہری حالت ہندو جوگیوں اور بدھ بھکشوؤں سے ملتی جلتی معلوم ہوتی ہے اس لئے عوام میں ان کے ساتھ گرویدگی اور عقیدت نمایاں ہے اور اس کا اثر اسلام کی اشاعت پر جو کچھ پڑ سکتا تھا وہ ظاہر ہے۔

اس وقت سلطان دہلی کی حکومت اگرچہ گجرات، کرناٹک اور دکھن تک پہنچ گئی تھی، تاہم ابھی ساحلی علاقوں میں اثر بہت کم تھا اور جنوبی صوبوں میں ہندو امراء بدستور فرماں روا تھے، کبھی کبھی جب وہ مجبور ہوتے تھے تو سالانہ خراج ادا کر دیتے تھے مگر عرب تاجر اور عجمی صوفیاء برابر اپنے کاروبار میں لگے رہتے تھے۔ ابن بطوطہ دولت آباد اور ساگر ہو کر کھنبایت پہنچتا ہے، گو یہ بندرگاہ سلطنت دہلی سے اب ملحق پاتا ہے مگر یہاں کی تمام تجارت، کاروبار اور اثر واستیلاء تاجروں اور جہاز رانوں کے ہاتھ میں نظر آتا ہے، ایک نومسلم ہندو الیاس نامی ناخدا ہے، مسلمانوں کی ہر طرف کثرت ہے، تاجروں کی بنائی ہوئی مسجدیں اور صوفیاء کی خانقاہیں آباد ہیں، کہتا ہے کہ:

> ''عمارات اور مساجد کی حیثیت سے یہ بہترین شہر ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ یہاں کے اکثر باشندے دوسرے ملکوں کے تاجر ہیں، تو وہ ہمیشہ عمدہ مکانات اور خوبصورت مسجدیں

بناتے رہتے ہیں اور اس میں باہم مسابقت کرتے ہیں، عالی شان عمارتوں میں سے شریف سامری کا محل ہے، اس کے پہلو میں عظیم الشان مسجد ہے اور ملک التجار گازرونی کا مکان ہے اور اس کے پہلو میں بھی مسجد ہے۔ شہر میں حاجی ناصر دیا بکری صوفی کی خانقاہ ہے، دوسری خواجہ اسحاق کی ہے، جہاں لنگر قائم ہے۔'' (ابن بطوطہ، ج۲ص: ۱۲۸، ۱۲۹، مطبوعہ خیریہ، مصر)

اس شہر میں اسلام کی آبادی اور ترقی کے اس معیار کو دیکھو جو اب اس سوا سو برس میں اس کو حاصل ہوگئی، اب ہندو نو مسلم بھی جہاز راں بن کر وہی اعزاز و دولت حاصل کر رہے ہیں، خانقاہیں آباد ہیں اور لنگر خانے جاری ہیں۔ ابن بطوطہ کھنبایت کے بعد کاوی اور گند ہار پہنچتا ہے، جہاں ایک ہندو راجہ جالنسی حکمراں ہے، تاہم مسلمان یہاں آباد ہیں اور بعض راجہ کے دربار میں داخل ہیں، یہاں کا ناخدا ابراہیم چھ جہازوں کا مالک ہے، یہاں ہمارا مسافر جاگرہ نامی جہاز پر سوار ہوتا ہے، فوقہ (یا گوگا) نام شہر میں داخل ہوتا ہے، یہاں کا راجہ دنگول ہندو ہے، تاہم یہاں مسلمان ملتے ہیں، ایک مسجد ہے، جو حضرت خضر کی طرف منسوب ہے اور حیدری فقراء کی ایک جماعت مع اپنے شیخ کے یہاں گوشہ نشیں ہے، یہاں سے سنگاپور پہنچتا ہے، دیکھتا ہے کہ یہاں ہندو راجہ ہریب کی ماتحتی میں ایک اسلامی ریاست سلطان جمال الدین ہنوری کی قائم ہے، مسلمانوں کا آباد کردہ شہر رونق پذیر ہے اور عظیم الشان جامع مسجد ہے، جو بغدادی مسجدوں کا مقابلہ کر رہی ہے، یہ ناخدا احسن کی بنوائی ہوئی تھی اور سلطان جمال الدین ہنوری اسی ناخدا کا بیٹا تھا۔

جزیرہ کے پاس ایک چھوٹا سا جزیرہ اور ہے، ہمارا سیاح جب وہاں قدم رکھتا ہے، کیا دیکھتا ہے کہ ایک بت خانہ کی دیوار سے ٹیک لگائے ایک جوگی مراقبہ میں مصروف ہے، آنکھیں بند ہیں، ابن بطوطہ نذر پیش کرتا ہے، وہ قبول نہیں کرتا اور الٹا خود کئی اشرفیاں اس کو دیتا ہے اور ایک اونٹ کے بالوں کی بنی ہوئی عبا نذر کرتا ہے اور ابن بطوطہ کے ہاتھ سے تسبیح لے کر اس کو ملتا اور سونگھتا ہے اور پھر آسمان کی طرف نظر اٹھا کر اشارہ کرتا ہے اور پھر قبلہ کی طرف اشارہ کرتا ہے، جہاں دیدہ سیاح ان اشاروں سے پالیتا ہے کہ یہ جوگی کے بھیس میں کسی مسلم صوفی کی روح ہے جو باشندگان جزیرہ کے خوف سے اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے ہے، چلتے وقت راز داں سیاح، جوگی کے ہاتھ کو بوسہ دیتا ہے، اس کے رفقاء معترض ہوتے ہیں، اس پر جوگی ابن بطوطہ کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے، اس کو چومتا ہے اور مسکرا دیتا ہے اور واپسی کا اشارہ کرتا ہے اور چپکے سے چند اور اشرفیاں ہدیہ دیتا ہے، باہر آ کر ابن بطوطہ جوگی کے راز کو اپنے ہمراہیوں کے سامنے پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ مسلمان ہے۔ (ابن بطوطہ، ج۲ص: ۱۳۱، ۱۳۲، مطبوعہ خیریہ، مصر) (جاری)

❀ .... ❀ .... ❀

علم اسنادورجال

ڈاکٹرمحموداحمدغازی

آج کی گفتگو کا عنوان ہے ''علم اسناداورعلم رجال'' ان دونوں کا آپس میں بڑا گہرا تعلق ہے۔اسناد سے مراد ہے کسی حدیث کی سند بیان کرنا جب کہ سند سے مراد ہے راویوں کا وہ سلسلہ جو حدیث کے ابتدائی راوی یا جامع سے کر رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی تک پہنچتا ہے۔راوی کون لوگ ہوں،ان کا علمی درجہ کیا ہو،ان کی ذہنی اور فکری صلاحیت کیا ہو،اس کی شرائط کیا ہوں،راویوں کے حالات جمع کرنے کا کام کب سے شروع ہوا،کس طرح یہ حالات جمع کئے گئے اور کسی راوی کے قابل قبول یا نا قابل قبول یا ضابط یا عدم ضابط ہونے کا فیصلہ کسی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔یہ وہ علم ہے جس کو علم اسماءالرجال یا علم رجال کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

علم اسناد اس وقت تک صحیح طور پر سمجھ میں نہیں آسکتا جب تک علم رجال یا اسماءالرجال کی تفصیلات سامنے نہ ہوں۔علم حدیث میں یہ مشکل ترین علوم وفنون میں شامل ہے۔علم درایت میں علل کا موضوع سب سے مشکل ہے اور علم روایت میں رجال کا موضوع سب سے مشکل ہے۔رجال سے متعلق دو پہلو زیر بحث آتے ہیں۔ایک معاملہ خود رجال کے بارے میں معلومات، رجال کی شخصیت اور کردار کے بارے میں تفصیلات سے متعلق ہے جس پر آج گفتگو ہوگی۔رجال کا دوسرا پہلو کسی راوی حدیث کے قابل قبول یا نا قابل قبول ہونے کا فیصلہ، اس کے اصول اور قواعد اور ان اصول وقواعد کی روشنی نے بالآخر کسی راوی کے قابل قبول یا نا قابل قبول ہونے کا حتمی فیصلہ جس فن کی روشنی میں کیا جاتا ہے، اس فن کو علم جرح وتعدیل کہتے ہیں۔

ابتداء میں جب صحابۂ کرام کا زمانہ تھا تو نہ روایت کی ان تفصیلی قواعد وضوابط کی ضرورت تھی نہ اسناد کی ضرورت تھی۔صحابہ کرام نے جس اہتمام اور جس محبت سے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات، اقوال وافعال اور آپ کے حالات کو جمع کیا، یاد رکھا اور محفوظ کیا، وہ ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے۔خود صحابہ کرامؓ ایک دوسرے سے کسب فیض کیا کرتے تھے اور معلومات جمع کیا کرتے تھے۔

صحابہ کرامؓ اور سند کا اہتمام

حضرت عبداللہ بن عباسؓ جو صحابہ میں علم و فضل میں بڑا اونچا مقام رکھتے ہیں، انہوں نے اپنی زندگی کے آخری تین سالوں میں رسول اللہ ﷺ سے براہِ راست کسب فیض کیا۔ جب حضور ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی عمر تقریباً تیرہ سال تھی۔ انہوں نے اپنی عمر کے بقیہ کافی سال کبار صحابہؓ سے کسب فیض میں گزارے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے کسب فیض کے انداز سے یہ پتہ چلایا جاسکتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کا اسلوب اور رنگ ڈھنگ کیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو جب پتہ چلتا کہ کسی خاص صحابیؓ کے پاس کوئی حدیث یا رسول اللہ ﷺ کا کوئی ارشاد گرامی ہے تو وہ ان صحابی رسول کے دولت خانے پر حاضر ہوتے۔ ایک مرتبہ وہ ایک انصاری صحابیؓ کے مکان پر پہنچے۔ دوپہر کا وقت تھا، اندر سے ملازمہ نے شاید پہچانا نہیں اور اگر پہچانا تو شاید بتانا مناسب نہیں سمجھا اور یہ کہہ دیا کہ وہ اس وقت آرام کررہے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ ان کی ڈیوڑھی پر بیٹھ گئے۔ گرمی کا موسم تھا، ظاہر ہے ہوا کے تھپیڑے آرہے ہوں گے، ان کو اس میں نیند آگئی اور وہ اس گرمی میں سو گئے۔ چہرے اور لباس پر گرو بھی پڑی۔ جب وہ صحابیؓ عصر کی نماز کے لئے نکلے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ گھر سے باہر موجود تھے۔ انہوں نے پریشانی سے کہا کہ اے رسول اللہ ﷺ کے بھائی! آپ یہاں تشریف لائے اور مجھے اطلاع نہیں کی۔ آپ حکم دیتے تو میں آپ کے پاس حاضر ہوتا۔ آپؓ نے فرمایا کہ **العلم یوتی ولا یأتی** علم کے پاس آیا جاتا ہے، علم کسی کے پاس نہیں جاتا۔ یہ صحابہ کرام کا اندازہ تھا جو صحابہ کرامؓ کے تذکروں اور سوانح سے پتہ چلتا ہے۔

مشہور صحابیؓ حضرت عبادہ بن صامتؓ جن کے آخری ایام دمشق میں گزرے تھے، ان کو پتہ چلا کہ ایک اور صحابہؓ حضرت عقبہ بن عامر الجہنی جو رسول اللہ ﷺ کے خاص خدام میں شامل رہے، ان کے پاس کوئی خاص حدیث ہے جو پہلے سے حضرت عبادہ بن صامت کے پاس پہنچ چکی تھی، لیکن وہ اس کو کنفرم کرنا چاہتے تھے۔ وہ گھوڑے پر سوار ہوکر ایک قافلہ کے ساتھ کئی ماہ کی مسافت طے کرکے حضرت عقبہ الجہنی کے پاس پہنچے۔ ان کے مکان پر پہنچے تو شور مچ گیا کہ صحابی رسولؐ حضرت عبادہ بن صامت تشریف لائے ہیں، لوگ جمع ہوگئے، وہ سیدھے حضرت عقبہ کے مکان پر پہنچے، دروازہ کھٹکھٹایا، وہ باہر نکلے، وہیں کھڑے کھڑے سلام دعا کی اور پوچھا کہ اس حدیث کے اصل الفاظ کیا ہیں؟ انہوں نے حدیث کے الفاظ سنائے، جوان کی

یادداشت کے مطابق تھے تو انہوں نے کہا الحمدللہ مجھ تک جس ذریعے سے یہ حدیث پہنچی تھی وہ بالکل درست ہے، اب ہمیں جار ہا ہوں اور یہ کہہ کر اجازت لی اور رخصت ہوگئے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ خود صحابہ کرامؓ نے کس محنت سے اور کس محبت اور احترام سے احادیث رسول کے بارے میں معلومات جمع کرنی شروع کیں۔

جس کو خارجی نقد حدیث کہا جاتا ہے، اس کی اساس علم روایت پر اور علم روایت کیا ساس سند پر اور سند کی اساس رجال پر ہے۔ گویا رجال وہ بنیادی مضمون ہے جس کی بنیاد پر اسنا کا تعین ہوتا ہے اور اسناد کی بنیاد پر کسی حدیث کی خارجی نقد پر بات ہوتی اور خارجی نقد پر بات کرنے کے بعد گویا تحقیق کا ایک پہلو مکمل ہوجاتا ہے اور یہ طے ہوجاتا ہے کہ خارجی وسائل اور نقد کے اعتبار سے اس حدیث کا کیا درجہ ہے۔ یہ ضرورت صحابہ کرام کے دور کے بعد پیش آئی، جب صحابہ کرامؓ دنیا سے اٹھ گئے اور بہت تھوڑی تعداد میں رہ گئے۔ کبار تابعین کا زمانہ بھی تقریباً ختم ہوگیا اور صغار تابعین کا زمانہ آگیا۔ کبار تابعین کے زمانے تک بھی یہ امکان نہیں تھا کہ کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی سے کوئی کچی بات منسوب کردے، غلط بات منسوب کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا لیکن اس کا امکان بہرحال موجود رہتا تھا کہ یادداشت میں کوئی کمزوری آجائے، کوئی دو احادیث کا مضمون ایک دوسرے میں مل جائے یا ایک حدیث کا مضمون دو الگ الگ مضامین کے طور پر بیان ہوجائے۔ اس طرح کا امکان موجود تھا۔ صحابہ کرامؓ کی حد تک تو اس امکان کی بھی گنجائش نہیں تھی، اس لئے کہ ان کے یہاں حدیث رسول کو حاصل کرنے اور محفوظ رکھنے کا جو اہتمام تھا اس کا اندازہ آپ کو ان دو واقعات سے ہوگیا ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے جب کوئی پوچھتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا فرمایا تو وہ براہِ راست جواب نہیں دیا کرتے تھے بلکہ اپنی فہم اور دانست کو بیان کردیا کرتے تھے اور جواباً یہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ حدیث میں آیا ہے کہ **من كذب علىّ متعمّداً فاليتبوّأ مقعدهٗ من النار** جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں کرلے۔ اس لئے وہ حتی الامکان حدیث بیان کرنے سے ہی احتراز کیا کرتے تھے کہ اس میں اگر ایک فی ہزار بھی غلطی کا امکان ہو تو اس وعید کے مستحق بن جائیں۔ ایک مرتبہ ضرورت پڑ گئی اور وہ حدیث کے الفاظ بیان کرنے لگے تو پریشانی اور گھراہٹ کے عالم میں کھڑے ہوگئے اور حدیث بیان کرنے کے بعد کہا کہ **او قريباً من ذالك او شبيهاً من ذالك** تقریباً ایسی بات فرمائی تھی، اس سے ملتی جلتی بات فرمائی تھی یا اس سے مشابہ بات فرمائی تھی اور پھر بہت ہی پریشانی کا اظہار کیا کہ

ہوسکتا ہے کہ میری یادداشت میں کوئی کمزوری رہ گئی ہو۔غرض انتہائی غیر معمولی اہتمام کے ساتھ انہوں نے یہ چیز بیان فرمائی۔

کبار تابعین کا بھی یہی رویہ تھا لیکن جب صغار تابعین کا دور آیا اور یہ زمانہ پہلی صدی ہجری کا نصف دوم ہے، اس وقت اس کا احساس ہونے لگا کہ بعض لوگ احادیث بیان کرنے میں اخلاق اور تقویٰ کا وہ معیار برقرار نہیں رکھ پا رہے ہیں جو معیار صحابہ کرامؓ نے رکھا تھا۔اس وقت اس بات کی ضرورت پیش آئی کہ تابعین سے یہ پوچھا جائے کہ آپ نے کس صحابہؓ سے یہ روایت سنی۔تابعین میں بھی جو کبار تابعین تھے جن کا علم اور تقویٰ غیر معمولی طور پر ضرب المثل تھا ان سے یہ پوچھنے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی لیکن صغار تابعین سے جو صحابہ کرامؓ اور حضور ﷺ کے زمانے سے دور ہونے کی وجہ سے جن کے بارے میں یہ امکان موجود تھا کہ شاید ان کے یہاں مطلوبہ احتیاط برقرار نہ رہے، ان سے یہ پوچھا جاتا تھا کہ آپ نے یہ حدیث کس صحابیؓ سے یا کس تابعی سے سنی ہے۔

سند کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟

حضرت سفیان ثوریؒ جن کا شمار صغار تابعین میں ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ پہلے حدیث کی سند پوچھنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی، لیکن **لما استعمل الرواة الكذب استعملنا لهم التاريخ.** جب حدیث کے راویوں نے غلط بیانیوں سے کام لینا شروع کیا تو ہم نے ان کے لئے تاریخ کا وسیلہ اور تاریخ کا ہتھیار استعمال کرنا شروع کر دیا۔تاریخ کے ہتھیار سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی صاحب کوئی حدیث بیان کرتے تھے وہ زمانہ تابعین یا تبع تابعینؒ کا تھا۔تو ان سے پوچھا جاتا تھا کہ انہوں نے یہ حدیث کس صحابیؓ سے سنی؟ صحابی کا نام لینے کے بعد وہ یہ تیقن کرتے تھے کہ ان صحابیؓ کی وفات کس سن میں ہوئی، وہ صحابی کس علاقہ میں قیام پذیر تھے اور اس طرح سے یہ انداز ہوجاتا تھا کہ بیان کرنے والے نے حدیث صحیح بیان کی ہے یا اس میں کوئی جھول رہ گیا ہے؟ مثال کے طور پر ایک صاحب نے جن کا تعلق تبع تابعین سے تھا، انہوں نے کوئی حدیث بیان کی۔سننے والوں نے پوچھا کہ آپ نے یہ حدیث کس سے سنی ہے؟ انہوں نے بیان کیا کہ فلاں تابعی سے سنی ہے۔پوچھا گیا کہ کس سن میں سنی ہے تو انہوں نے کہا کہ سن ۱۰۸ھ میں سنی ہے۔پوچھا گیا کہ سن ۱۰۸ھ میں کہاں سنی تھی تو انہوں نے کہا کہ آرمینیا میں سنی تھی۔سوال ہوا کہ آرمینیا میں وہ کیا کرنے گئے تھے؟ انہوں نے کہا کہ جہاد کرنے گئے تھے۔پوچھنے والے بزرگ نے کہا کہ تم غلط بیان کر رہے ہو، جھوٹ

بول رہے ہو۔ان تابعی کا انتقال ۱۰۴ھ میں ہوگیا تھا اور ۱۰۸ھ میں وہ زندہ نہیں تھے اور وہ جہاد کرنے کے لئے آرمینیا نہیں بلکہ روم تشریف لے گئے تھے۔اب یہ معلومات کہ ان تابعی کا انتقال ۱۰۴ھ میں ہوا تھا اور انہوں نے جس جہاد میں حصہ لیا تھا وہ روم کی جہادی مہم تھی، آرمینیا کی نہیں تھی اور ان دونوں کے درمیان تقریباً دو ڈھائی ہزار میل کا فرق ہے۔اس سوال و جواب بلکہ جرح سے یہ پتہ چلا کہ ان صاحب کو بیان کرنے میں یا تو یادداشت میں التباس ہو رہا ہے یا کوئی غلط فہمی ہو رہی ہے یا ممکن ہے انہوں نے دانستہ طور غلط بیانی کی ہو،اس بارے میں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے لیکن اس جھول کی وجہ سے ان کی یہ روایت تبع تابعینؒ نے قبول نہیں کی۔

اس طرح سے جب یہ واقعات کثرت سے پیش آنے شروع ہوئے اور اس کا امکان وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا جا رہا تھا،تو پھر یہ معلومات جمع کرنے کا عمل شروع ہوا کہ صحابہ کرامؓ کہاں کہاں تشریف لے گئے تھے،کس کس علاقہ میں مقیم رہے۔انہوں نے وہاں جا کر کیا کیا اور کس علاقہ میں کس طرح کی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔مثلاً جہاد کا معاملہ تھا،اب یہ بات کہ کسی خاص تابعی نے آرمینیا کے جہاد میں حصہ لیا یا روم کے جہاد میں حصہ لیا اس کا براہِ راست علم حدیث سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن چوں کہ روایت میں اس کا حوالہ دیا گیا کہ آرمینیا کے جہاد کے دوران ان سے یہ بات سنی، جب کہ انہوں نے آرمینیا میں جہاد نہیں کیا تھا۔اس سے یہ معاملہ واضح ہوگیا کہ کم سے کم اس تابعی کی حد تک یہ تیقن ہوگیا کہ ان کے ذریعے سے یہ روایت نہیں آئی،کسی اور کے ذریعے سے آئی ہوگی۔

اس طرح سے علم حدیث میں ایک نئے شعبہ کا آغاز ہوا جس کو علم اسناد بھی کہتے ہیں اور علم اسناد کی بنیاد چوں کہ سند پر ہے اور سند میں راویں کا تذکرہ ہوتا ہے، راویوں کے حالات جمع کرنے کو علم رجال کہا گیا۔علم رجال سے یہ نہ سمجھئے گا کہ اس سے صرف مرد مراد ہیں، یہ صرف ایک اصطلاح ہے اور میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ **لا مشاحة فی الاصطلاح** اصطلاح میں کوئی اختلاف نہیں۔علم رجال میں خواتین کا بھی تذکرہ ہوتا ہے۔علم رجال کی کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جس میں خواتین راویوں کے تذکرے نہ ہوں۔اس لئے رجال کے لفظ سے کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے۔اس میں ان تمام راویوں اور راویات کا تذکرہ ہوتا ہے جنہوں نے علم حدیث کی روایت کی ہے۔جیسے جیسے علم حدیث، روایات اور رجال کا دائرہ بڑھتا گیا علم حدیث میں اختصاص (Specialization) بھی پیدا ہوتا گیا۔کچھ لوگ وہ تھے جو رجال کے فن میں زیادہ ماہر تھے۔پھر رجال سے متعلقہ علوم وفنون جن میں جرح وتعدیل بھی ہے جس پر آگے چل

کر بات ہوگی، کچھ لوگ اس کے متخصص ہوئے، کچھ لوگ علم درایت کے متخصص ہوئے کہ حدیث کی داخلی شہادت سے اندازہ لگائیں کہ حدیث کی داخلی شہادت سے اس کے کمزور ہونے یا نہ ہونے کا پتہ چلتا ہے یا نہیں چلتا۔ کچھ حضرات تھے جو خارجی نقد و روایت اور رجال میں زیادہ مشہور تھے، کچھ حضرات تھے جو داخلی نقد اور درایت میں زیادہ مشہور تھے، یعنی حدیث کی داخلی شہادت اور داخلی مطالقہ نقد میں، کچھ حضرات تھے جو دونوں میں زیادہ مشہور تھے۔ جو دونوں میں زیادہ مشہور تھے، ان میں حضرت امام مالکؒ کا نام نامی بھی شامل ہے۔ جو حضرات داخلی نقد و درایت میں زیادہ مشہور تھے ان میں امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا نام زیادہ مشہور ہے جو نقل و روایت میں مشہور ہیں، ان میں محدثین کی بڑی تعداد شامل ہے لیکن محدثین میں ایسے حضرات بھی شامل تھے مثلاً امام بخاری، امام ترمذی، جو دونوں میدانوں کے شہسوار تھے، جو روایت اور رجال کے بھی ماہر تھے اور نقد و درایت کے بھی ماہر تھے، حدیث کی داخلی شہادت سے بھی ان کو بہت کچھ اندازہ ہو جایا کرتا تھا۔

رجال اور سند کی ضرورت پیش آنے کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے۔ جہاں تک رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کا تعلق ہے صحابہ کرام اس کی روایت باللفظ کیا کرتے تھے جو بات رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمائی اس کو اسی طرح یاد فرماتے تھے۔ اسی طرح لکھتے تھے اور آپس میں اپنے تحریری ذخائر کا ایک دوسرے سے تبادلہ اور تقابل کرتے رہتے تھے اور اپنی یادداشتوں کو ایک دوسرے سے چیک بھی کروایا کرتے تھے۔ صحابہ کرام کی یادداشت تک تو یہ التزام موجود تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کی روایت باللفظ ہو لیکن جو معاملات رسول اللہ ﷺ کے عمل یا سنت تقریری سے تعلق رکھتے تھے کہ حضور ﷺ کے سامنے کوئی کام ہوا اور آپ نے اس کی اجازت دیدی یا منع نہیں فرمایا، اس کی روایت ہر صحابیؓ اپنے الفاظ میں کیا کرتے تھے۔ گویا ایک واقعہ کی تعبیریں مختلف صحابہ کرام نے مختلف انداز سے کیں، جس نے جس طرح سے دیکھا اور سمجھا اور جس پہلو کو زیادہ اہم سمجھا اس پہلو کو بیان فرمادیا۔

جب یہ چیز تابعین تک پہنچی تو انہوں نے اس بات کا اہتمام کیا کہ جس صحابیؓ نے جو چیز جن الفاظ میں بیان کی اس کو ان ہی الفاظ میں آگے تک پہنچایا جائے اور اس کے الفاظ میں ردوبدل نہ کی جائے۔ روایت باللفظ کا یہ سلسلہ اہتمام کے ساتھ جاری رہا۔ اس میں اس حدیث نبویؐ سے بھی صحابہ کرام کو مدد ملی جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ "**نضر اللہ امرأ**"، اللہ تعالیٰ اس شخص کو سرسبز و شاداب رکھے **سمع مقالتی** جس نے میری کوئی بات سنی **فاداھا کما سمعھا** اور جیسا اس کو سنا تھا ویسے ہی اس کو

روایت کردیا۔ اس سے روایت باللفظ کی اہمیت واضح ہوتی ہے کہ اگر جیسا سنا تھا ویسا ہی ادا کروگے تو تروتازگی کی یہ بشارت ملے گی اور اگر اس کے الفاظ یا مفہوم میں کوئی تبدیلی ہوگئی تو بظاہر مفہوم یہ نکلتا ہے کہ یہ بشارت اس طرح سے حاصل نہیں ہوگی۔

احادیث کی روایت باللفظ کا اہتمام

رسول اللہ ﷺ جب صحابہ کرامؓ کو بذاتِ خود کوئی چیز بتاتے یا پڑھاتے یا یاد کراتے تھے تو اس بات کا اہتمام کرتے تھے کہ جو الفاظ آپ نے یاد کروائے ہوں، صحابہ کرامؓ ان ہی الفاظ میں اس کو یاد کریں۔ چنانچہ حضرت براء بن عازبؓ کا مشہور واقعہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ ان سے پوچھا اے برا! جب را کو سونے کے لئے لیٹتے ہو تو کوئی دعا کرتے ہو؟ انہوں نے فرمایا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ بتائیں جو آپ فرمائیں گے میں وہ دعا پڑھا کروں گا۔ اس پر حضور ﷺ نے ان کو یہ دعاء سکھائی جو مشہور ہے: **اللھم اسلمت وجھی الیك و فوّضت امری الیك والجات ظھری الیك رغبتی و رھبتی الیك، لا ملجی ولا منجی منك الا الیك امنت بکتاب الذی انزلت و نبیك الذی ارسلت.** جب حضرت براء بن عازبؓ نے دوبارہ یہ دعا رسول اللہ ﷺ کو سنائی تو آپؐ نے نبیك کی بجائے **رسولك الذی ارسلت** کہا تو رسول اللہ ﷺ نے مزاحاً ہاتھ سے مُکاّ بنا کر اشارہ کیا اور فرمایا کہ میں نے **و نبیك الذی ارسلت** کہا تھا تو حضرت براء بن عازبؓ کو یہ ہمیشہ یاد رہا اور وہ انتہائی محبت سے بیان کیا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہاں مُکاّ سے اشارہ کرکے بتایا کہ **و نبیك الذی ارسلت** اس سے اس بات کی بھی تائید ہوتی ہے کہ جو بات حضور ﷺ نے ارشاد فرمائی ہو اس کو ان ہی الفاظ میں بیان کرنا چاہئے اس کا ہم معنی کوئی لفظ استعمال نہیں کرنا چاہئے۔ نبی اور رسول قریب قریب ایک ہی معنی کے حامل ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے یہاں نبی کا لفظ استعمال فرمایا تھا، اسی کی آپ نے تاکید فرمائی کہ اسی لفظ کو استعمال کیا جائے۔ چنانچہ صحابہ کرام کے زمانے سے اس کا التزام رہا اور رسول اللہ ﷺ کے قولی ارشادات تو تقریباً ۹۹ فیصد روایت باللفظ کے ساتھ منقول ہیں۔ البتہ حضور ﷺ کے اعمال، تقریرات یا افعال کا معاملہ ذرا مختلف ہے، جن کو ہر صحابیؓ نے اپنے انداز میں بیان کیا، جس صحابیؓ نے جس طرح دیکھا اور جس طرح سے مناسب سمجھا بیان کیا۔ پھر تابعین نے صحابہ کرام کی اس روایت کو انہی الفاظ میں بیان کیا اور ہر صحابیؓ کی روایت ان کے اپنے مقدس الفاظ کے ساتھ کتب حدیث میں موجود ہے۔

اس بات کی تائید اس مثال سے بھی ہوتی ہے کہ ایک حدیث میں کوئی صحابیؓ کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے دو قبیلوں کا ذکر کرتے ہیں و اسلم و غفار، قبیلہ اسم اور قبیلہ غفار نے یہ کیا، ان کے ساتھ یہ معاملہ ہوا یا کسی بھی سیاق وسباق میں ان کا ذکر ہے۔ اب جن تابعی نے ان سے سنا ان کو یہ التباس ہوا کہ صحابی رسول نے غفار کا لفظ پہلے بولا تھا یا اسلام کا پہلے بولا تھا حالاں اس بات کی اتنی اہمیت نہیں ہے۔ اس سے معنی میں، مفہوم میں، پیغام میں کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن وہ تابعی جب بیان کرتے تھے تو یہ وضاحت ضرور کرتے تھے کہ انہوں نے غفار اور اسلم یا اسلم اور غفار فرمایا تھا۔ میں یہ بھول گیا ہوں کہ پہلے کیا فرمایا تھا اور ہر روایت میں یہ ذکر آتا ہے کہ وہ تابعی بہت اہتمام سے اس بات کی صراحت کرتے تھے کہ یہ ترتیب میرے ذہن میں نہیں رہی، انہوں نے ان میں سے کوئی ایک بات فرمائی تھی۔ اس کی مثالیں کتب حدیث میں بہت ملتی ہیں۔

اگر آپ صحیح بخاری، صحیح مسلم یا حدیث کی کسی بھی اور کتاب کی ورق گردانی کریں تو کہیں نہ کہیں آپ کو ایسی مثالیں ضرور ملیں گی۔ موجودہ نسخوں میں تو بریکٹس میں خوبصورت طریقے سے اس کی نشان دہی کر دی گئی ہے، لیکن پرانے نسخوں میں بھی لکھا ہوا ہے اور یہ واضح ہو جاتا ہے کہ یہ کس راوی سے ہے اور یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ کس راوی سے جلدی میں نقل کرنے کی وجہ سے یہ بھول چوک ہوئی۔

آپ سے میں نے عرض کیا تھا کہ حضرت عبداللہ بن مبارک جب حدیث پڑھایا کرتے تھے تو سننے کے لئے اتنے لوگ جمع ہوتے تھے کہ ایک بار ۶۳ رہزار دواتیں استعمال ہوئیں، وہاں جب کئی کئی سو مستملی کسی حدیث کو زور سے بولتے تھے تو ایسا ہوسکتا ہے کہ ہزاروں لکھنے والوں میں سے کسی ایک کے لکھنے میں ایک آدھ لفظ آگے پیچھے ہو جائے، کسی نے غِفار کا لفظ پہلے لکھ دیا اور اسلم کا بعد میں لکھ دیا، کسی نے اسلم کا پہلے لکھ دیا غفار کا بعد میں لکھ دیا۔ ساری احتیاط کے باوجود اس کا امکان رہ سکتا تھا اس لئے تابعین اور تبع تابعینؒ اس فرق کی وضاحت کر دیا کرتے تھے۔

یہاں تک کہ روایت باللفظ کا اس قدر اہتمام ہوتا تھا کہ آپ حدیث کی کوئی کتاب کھول کر سندیں پڑھنا شروع کر دیں تو اس طرح کی مثالیں آپ کو مل جائیں گی کہ محدث حدیث بیان کرتا ہے اور مثال کے طور پر کہتا ہے کہ **''حدثنی هنّاد بن السری قال حدثنی سفیان قال حدثنی فلان''** اب ہنّاد نے کہا تھا کہ **حدثنی سفیان** اور یہ تعین نہیں کیا تھا کہ سفیان ثوری مراد ہیں یا سفیان بن عیینہ مراد ہیں۔ اب بعد والے جو بیان کریں گے وہ اپنی طرف سے نہیں کہیں گے کہ سفیان ثوری۔ یہ نہیں کہیں گے کہ **حدثنی**

هناد حدثنی سفیان الثوری اس لئے کہ ہناد نے سفیان ثوری نہیں کہا تھا صرف سفیان کہا تھا۔ اب بعد والے کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ سفیان ثوری یا ابن عیینہ کا لفظ لگا دے اور وہ ھناد سے منسوب ہو جائے۔ ھناد نے جب بولا تھا تو اتنا ہی بولا تھا تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ **حدثنی هناد حدثنی سفیان، یقول الترمذی وهو ابن عیینه** یعنی ترمذی کہتا ہے کہ وہ ابن عیینہ ہیں یا ثوری ہیں تا کہ واضح ہو جائے کہ یہ وضاحت میرے استاد ھناد کی زبان مبارک سے نہیں ہے بلکہ میری زبان سے ہے۔ یہ گویا ایک مثال ہے کہ روایت باللفظ میں کس قدر باریکی اور نزاکت کا اہتمام رکھا گیا۔

کیا روایت بالمعنی جائز ہے؟

کچھ وقت گزرنے کے بعد محدثین کے درمیان یہ سوال پیدا ہوا کہ روایت باللفظ سے ہٹ کر اگر روایت بالمعنی کی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ لیکن روایت بالمعنی کا سوال تدوین کے سلسلے میں نہیں پیدا ہوا تھا۔ تدوین کی حد تک بخاری، مسلم، ترمذی اور باقی سب کتابوں میں جب روایتیں جمع کی گئیں تو جس طرح سے آتی تھیں اسی طرح سے لکھی گئیں۔ روایت باللفظ ہی کے انداز میں جمع ہوئیں۔

سوال وہاں پیدا ہوا جہاں کسی مجلس درس یا مجلس وعظ میں یا تبلیغ دعوت کے کسی عمل میں کوئی حدیث بیان کرنے کی ضرورت پیش آئے تو کیا وہاں بھی روایت باللفظ کی پابندی ضروری ہے یا روایت بالمعنی بھی ہو سکتی ہے؟ یہ سوال وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اہمیت اختیار کرنے لگا اور ہم ان تمام محدثین اور علماء کرام کے شکر گزار ہیں جنہوں نے یہ سوال اٹھایا اور اس معاملہ میں یہ گنجائش پیدا کی۔ اگر وہ حضرات روایت بالمعنی کی یہ گنجائش پیدا نہ کرتے تو آج دنیائے اسلام کے لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کے لئے حدیث رسول کا حوالہ دینا ناممکن ہو جاتا۔ اس لئے کہ ہم میں سے کتنے ہیں جو حدیث کے حافظ ہیں اور ایک ایک لفظ زیر زبر کی پابندی کے ساتھ اور ایک ایک شوشے کی پابندی کے ساتھ اسی طرح بیان کر سکتے ہیں جس طرح کی میں نے مثالیں دیں کہ وہ استاد کے نام کا اضافہ بھی ان سے منسوب نہیں کرتے۔ ایسا ہوتا تو پھر لوگ حدیث کا حوالہ دینا چھوڑ دیتے اور ہمارے لئے اس سے استفادہ کرنا عملاً مشکل ہو جاتا بلکہ ناممکن ہو جاتا، اس لئے محدثین نے یہ سوال اٹھایا کہ کیا روایت بالمعنی جائز ہے؟ کچھ لوگوں کا پھر بھی یہی خیال رہا کہ روایت بالمعنی کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے بلکہ جو لوگ بیان کرنا چاہیں وہ پہلے یاد کریں، پھر اس کے بعد بیان کریں۔ لیکن علماء کرام کی اکثریت نے بعد کے سالوں میں تیسری، چوتھی اور پانچویں صدی ہجری کے سالوں میں

کچھ شرائط کے ساتھ روایت بالمعنی کی اجازت دیدی۔

ایک شرط تو یہ ہے کہ جو راوی اس کو روایت کرے وہ صرف ونحو اور علوم لغت کا عالم ہو یعنی جب وہ روایت بالمعنی کرے تو اس کو پتہ ہو کہ جس لفظ کو وہ جن معنوں میں بیان کر رہا ہے وہ لفظ ان معنی میں استعمال ہوتا ہے کہ نہیں۔ اگر وہ اس معنی ہی میں نہ ہو اور بیان کرنے والا صرف ولغت کا عالم نہ ہو تو وہ کچھ کا کچھ بیان کر دے گا۔

ایک صاحب کے بارے میں مشہور ہے کہ انہوں نے ایک حدیث کا ترجمہ پڑھا **من أم قوماً فلیخفف** کہ جو شخص کسی کی امامت کرے وہ ہلکی نماز پڑھائے۔ تو یہ ترجمہ لکھا ہوا دیکھ کر وہ سمجھے کہ شاید ہل کے پڑھائے اور نماز میں حرکت کرتا رہے۔ چنانچہ جب وہ امامت کرتے تو ہلتے رہتے تھے۔ کسی نے پوچھا کہ آپ نماز پڑھاتے ہوئے ہلتے کیوں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ حدیث میں آیا ہے۔ پوچھا کہ حدیث میں کہاں لکھا ہوا ہے کہ نماز میں ہلا کرو۔ ان امام صاحب نے ترجمہ لا کر دکھایا تو لکھا ہوا تھا کہ نماز ہلکے پڑھائے۔ انہوں نے ہَلکے کو ہِلکے پڑھا یعنی اگر آدمی صرف ونحو اور لغت کا عالم نہ ہو تو اس طرح کی غلطیاں ہوسکتی ہیں۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ الفاظ جو احادیث میں استعمال ہوئے ہیں اور ان کا جو معنی اور مفہوم رسول اللہ ﷺ کا مقصود تھا اس سے واقف ہو اور دونوں الفاظ کے درمیان جو تفاوت ہے یعنی جو الفاظ وہ استعمال کر رہا ہے اور جو اصل میں استعمال ہوئے ہیں ان دونوں کے درمیان فرق واقف ہو اور حدیث رسول کو غلطی کے بغیر بیان کرنے کی استطاعت رکھتا ہو۔ یہ شرائط تو ہر اس شخص کے لئے ہیں جو حدیث کا مفہوم بیان کرے گا۔

امام مالکؒ کی ایک بات مجھے بہت پسند آئی ہے۔ امام مالکؒ کا ارشاد ہے کہ احادیث مرفوعہ میں تو روایت بالمعنی جائز نہیں ہے یعنی کوئی چیز جو رسول اللہ ﷺ سے منسوب ہے اس میں تو روایت بالمعنی جائز نہیں ہے اور وہ روایت باللفظ ہی ہونی چاہئے لیکن جو بقیہ احادیث ہیں جن میں صحابہ کرام میں سے کسی کی رائے یا کسی کا مشاہدہ یا کسی کا فتویٰ یا کسی کی روایت بیان ہوئی ہے وہ روایت بالمعنی ہوسکتی ہے کیوں کہ اس کے بارے میں یہ وعید نہیں آئی ہے کہ **من کذب علیّ متعمداً فالیتبوأ مقعدہٗ من النار**۔ یہ حدیث صرف حضور ﷺ کے ارشادات کے بارے میں آئی ہے۔ یہ امام مالکؒ کی رائے ہے جو بہت وزنی معلوم ہوتی ہے۔

❁ .... ❁ .... ❁

اور دیوبند سونا ہوگیا

مولانا فضیل احمد ناصری القاسمی
استاذ حدیث ونائب ناظم تعلیمات جامعہ ہذا

خطیب الاسلام کا سانحۂ ارتحال

بالآخر وہی ہوا جو ہونا تھا۔ دارالعلوم وقف دیوبند کے سابق مہتمم، سابق صدر مہتمم اور دارالعلوم دیوبند کے سابق استاذ حدیث خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب ۱۴؍اپریل ۲۰۱۷ء کو دوپہر میں اللہ کو پیارے ہوگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ دھڑکا تو پہلے ہی لگا تھا۔ بیماری اور طویل علالت کے بعد یوں بھی اچھی خبر کم ہی سننے میں آتی ہے۔ پھر یہاں تو طولِ عمری کے ساتھ طولِ نقاہت اور درازئ عدمِ صحت بھی دامن گیر تھی۔ میں وفات سے ایک روز پیشتر ہی عیادت کر آیا تھا۔ دیکھ کر اوروں کی طرح مجھ جیسے دیوانوں کو بھی لگا تھا کہ یہ چراغِ سحر کی آخری لو ہے۔ آکسیجن کے ذریعے سانس دیا جا رہا تھا۔ تیمار دار بیٹھے تھے۔ سب یاس ونومیدی کی تصویر بنے۔ خطرہ جس کا تھا وہ پیش آ کر رہا۔ کل کے ''دام ظلہ'' آج سے ''مرحوم'' ہوگئے۔

جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند میں ایصالِ ثواب

مولانا کا وصال دو بج کر ۱۷ منٹ پر ہوا۔ سانحے کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ اطلاع مجھے بھی اسی وقت مل گئی تھی۔

جامعہ میں شام کی تعلیم تین بجے سے ہے۔ میں وہاں گیا۔ دیکھا کہ اساتذہ اور طلبہ کے چہروں پر مردنی چھائی ہے۔ ہر آنکھ نم اور ہر دل پر غم۔ طلبہ اور اساتذہ نے قرآن خوانی کے بعد ایصالِ ثواب کیا۔ یہ مجلس ''مسجدِ انور شاہ'' میں منعقد کی گئی۔ پھر تعلیم کے موقوف کرنے کا اعلان کر دیا گیا۔

کاشانۂ قاسمی پر دیوانوں کا ہجوم

دعائے مغفرت کے بعد زیارت کے لیے نکلا تو عظیم ازدحام میرے سامنے تھا۔ سڑکیں بھری ہوئیں، گلیاں عازمینِ زیارت سے پُر۔ پتہ چلا کہ جسدِ خاکی طیب منزل میں حضرت مولانا اسلم قاسمیؒ کے صحن میں ہے۔ میرے عہدِ طالب علمی میں یہی مکان دارالعلوم وقف کا دفترِ تعلیمات تھا۔ آستانۂ قاسمی پر پہنچا تو دیکھا کہ بے اندازہ رش سے آدمی آدمی پر چڑھ رہا ہے۔ طلبہ زیارت کے لیے بے چین۔ ہجومِ بے پناہ ایک جھلک دیکھنے کو بے تاب۔ اتنے ازخود رفتہ کہ اساتذہ کو پہچاننے سے بھی عاری۔ اوروں کے ساتھ کافی دیر میں بھی دروازے پر کھڑا رہا۔ ریلا نسبتاً کم ہوا تو میں اندر پہونچا۔ دیکھا تو حواس گم ہو گئے۔ مولانا دنیا سے بے نیاز چارپائی پر لیٹے تھے۔ نورانی چہرہ موت کے بعد مزید منور تھا۔ مولانا بے حس وحرکت دراز تھے۔ دیکھ کر رونا آ گیا۔ دیکھا، بار بار دیکھا، وہاں سے ہٹنے کو طبیعت نہیں چاہ رہی تھی، زائرین اتنے تھے کہ بادلِ ناخواستہ وہاں سے آنا پڑا۔ آہ! کیسے کہیے کہ ایک چراغ بجھ گیا۔ علم کا چراغ۔ معرفت کا چراغ۔ اخلاص ووفا کا چراغ۔ ایسا چراغ جس نے اندھیروں کو ہمیشہ شکست دی تھی۔

خانوادۂ قاسمی کا گوہرِ شب تاب

مرحوم عظیم ترین شخصیت رکھتے تھے۔ عظیم نسبتوں کے ساتھ عظیم خدمات بھی ان سے منسوب۔ وہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کے پرپوتے، شمس العلماء حضرت مولانا حافظ احمد صاحبؒ کے حفید اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے فرزندِ اکبر تھے۔ خانوادۂ قاسمی کے گوہرِ شب تاب اور قاسمی علوم ومعارف کے حقیقی وارث وامین۔ خاندانی روایات کے حامل اور پشتینی حلم وکرم کے پیکرِ صادق۔

سوانحی خدوخال

مولانا کی ولادت ۸رجنوری ۱۹۲۶ء میں ہوئی۔ آپ اپنے والدین کی اولاد میں سب سے بڑے تھے۔ ابتدائی اور مکتبی تعلیم کے ساتھ عربی وفارسی کی ساری تعلیم دارالعلوم دیوبند سے پائی۔ اساتذہ میں علامہ ابراہیم بلیاویؒ، شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ، شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہویؒ اور حضرت مولانا فخرالدین صاحبؒ نمایاں تھے۔

حضرت تھانویؒ کے آخری شاگرد

مرحوم کی خاص بات یہ تھی کہ انہیں حکیم الامت مجد دِملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بھی شرفِ تلمذ رہا۔ انہوں نے اپنے والد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی ہدایت پر حضرت تھانویؒ سے درسِ نظامی کی بنیادی اوراہم کتاب میزان الصرف پڑھی۔ وہ اس وقت حضرت تھانویؒ کے براہِ راست آخری شاگرد تھے۔

میدانِ عمل میں

فراغت ۱۹۴۸ء میں پائی۔ صیغۂ طالب علمی سے نکلے تو اسی سال دارالعلوم میں مدرس ہو گئے۔ اختلافِ دارالعلوم تک یہیں استاذ رہے۔ کمال کی صلاحیت تھی، دقیق النظر، مطالعہ مستحضر، جم کر پڑھایا۔ اس دوران ابتدا سے لے کر انتہا تک تقریباً ساری کتابیں ان کے زیر درس رہیں۔ کوئی بھی علم وفن آپ سے نہ چھوٹا۔ بے گانگی کسی بھی کتاب سے نہ تھی۔ نورالایضاح، میبذی، سلم العلوم بھی آپ سے جڑی رہیں۔ آگے بڑھے تو جلالین اور مشکوٰۃ بھی پڑھائی۔ ان کا درسِ مشکوٰۃ بہت زیادہ مشہور تھا۔ احادیث کا یہ عظیم ذخیرہ سالوں ان سے وابستہ رہا۔ شرح عقائد کے دروس بھی کافی سرخیوں میں رہے۔ اخیر میں بخاری شریف جلد ثانی کے بھی چند حصے ان سے متعلق رہے۔ دم دار پڑھاتے۔ خوب تحقیق وتدقیق سے پڑھاتے۔ نفسِ مضمون تک رسائی اور تفہیمِ عبارت پر ان کے یہاں زیادہ زور تھا۔ ان کے اسباق دارالعلوم میں خاصی شہرت رکھتے۔ ان کے افادات کا سلسلہ یہاں ۳۴ رسالوں تک دراز رہا۔

دارالعلوم وقف میں

دارالعلوم کے قضیۂ نامرضیہ کے بعد دارالعلوم وقف کے نام سے ۱۹۸۲ء میں ایک نیا عالمی مرکز سامنے آیا تو اپنے نامور والد کے بعد مہتمم بنائے گئے۔ کم وبیش ۳۵ سال اس کا اہتمام سنبھالا۔ ان کی مخلصانہ جدوجہد کہ صرف ۳۵ ربرسوں میں ایک معمولی سا پودا اتنا تناور درخت بن گیا۔ آج اس کے سائے مشرق و مغرب تک پھیلے ہیں۔ مستفیدین کی ایک طویل فہرست ہے۔

دارالعلوم وقف میں منعقد پہلی مجلسِ شوریٰ میں ان کا اہتمام، صدر اہتمام میں بدل گیا۔ اب وہ تادمِ حیات صدر مہتمم تھے۔ بخاری شریف کے اسباق بھی متواتر ان سے متعلق رہے۔

تنظیموں سے وابستگی

مرحوم دارالعلوم سے وابستگی کے ساتھ متعدد تعلیم گاہوں کے ذمے دار بھی تھے۔ جامعہ دینیات کے سرپرست اور مظاہر علوم وقف کی مجلسِ شوریٰ کے صدر بھی۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی شوریٰ کے رکن رہے۔ وہ صرف مسجد، خانقاہ اور مدرسے کے ہی آدمی نہ تھے، باہر کی دنیا سے بھی ان کا واسطہ تھا۔ بیداریٔ اہلِ حرم کے لئے بھی ان کی تگ وتاز مثالی رہی۔ چنانچہ وہ ہر ایسی تحریک سے وابستہ ہوئے جن سے ملت کا مفاد مربوط و پیوستہ ہے۔ مسلم مجلسِ مشاورت کے صدر، مسلم پرسنل لا بورڈ، علما کونسل مصر، اور دیگر سرکردہ تنظیمات کے بھی فعال ممبر رہے۔ مسلم پرسنل لا بورڈ کے تاحیات نائب صدر بھی رہے۔ سفر ان کی زندگی تھا۔ سفر در سفر میں ان کی مثال نادر تھی۔ آخر عمر میں بھی ان کا شوقِ سفر عروج پر رہا۔ یہ اسفار دعوتی تھے۔ ملک کا چپہ چپہ چھان ڈالا۔ بیرونِ ممالک میں بھی ان کے قدموں کی دھمک سنائی دیتی رہی۔

تقریر وخطابت

مولانا نے تدریس کے ساتھ تقریر میں بھی اپنا نام کمایا۔ قوتِ کلام اور زورِ بیان میں ان کا وہ مقام کہ خطیب الاسلام ایسے بڑے لقب سے سرفراز کیے گئے۔ تقریر بڑی حکیمانہ اور فلسفیانہ ہوتی۔ صغریٰ کبریٰ اور مقدمات پر مشتمل۔ نہایت شستہ اور شگفتہ۔ سلسلہ در سلسلہ۔ زبان شیرینی وحلاوت سے لبریز۔ مرتب اور قریب الفہم۔ جو بات کرتے ذہنوں کو اپیل کرنے والی۔ نقل کے ساتھ عقل سے بھی ہم آہنگ۔ طرزِ استدلال مقناطیسیت سے عبارت۔ آواز میں بلا کی کشش۔ جس تقریب میں جاتے، چھا جاتے۔ جس بزم میں شریک ہوتے صدر نشیں بن جاتے۔

حلم وتحمل، عفوودرگذر

مولانا کے اوصافِ جمیلہ میں حلم وتحمل کو ممتاز مقام حاصل ہے۔ اپنے مخالفین کے ساتھ بھی ان کا رویہ خیرخواہانہ، مخلصانہ، متواضعانہ رہتا۔ زبان غیبت سے پاک۔ مجلس بدگوئی سے منزہ۔ کفِّ لسان ان کا شعار۔ ان کی کئی مجالس میں مجھے شرکت کی سعادت رہی۔ دارالعلوم کا مشہورِ زمانہ ہنگامہ ہوا تو اپنا سب کچھ گنوانے اور لٹانے کے باوجود ان کے لب حرفِ شکایت سے نا آشنا رہے۔ نہ اظہارِ غم، نہ تصویرِ الم۔ حیرت انگیز تو یہ کہ

۲۰۰۵ء میں فدائے ملت حضرت مولانا اسعد مدنیؒ سعودی میں شدید بیمار پڑے تو پہلے ٹیلی فون سے عیادت کی اور پھر وہاں حاضری۔ حالانکہ دوریوں اور مراسمی ناہمواریوں کا دامن کئی دہائیاں دراز ہو چکا تھا۔ مولانا کی ان اداؤں نے مولانا مدنیؒ کو بھی حیرت زدہ کر دیا۔ بہت دنوں تک انہیں اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہ آیا۔

تصنیفات وتالیفات اور شعروسخن سے تعلق

مرحوم زبردست صاحبِ قلم بھی تھے۔ کئی نادر و نایاب تحریریں ان کے خامۂ گوہر بار سے نکلیں۔ چند کتابیں بھی ان کے قلم سے معرضِ وجود میں آئیں، جن میں مبادئ التربیۃ الاسلامیۃ، جائزہ تراجمِ قرآن، تاجدارِ ارضِ حرم کا پیغام، مردانِ غازی، ایک عظیم تاریخی خدمات اور سفرنامہ برما، خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ وہ بہترین قلم کے حامل تھے۔ سطر سطر علم وعرفان اور وسعتِ مطالعہ کا غماز۔ علمی اور گاڑھی زبان ان کی شناخت تھی۔ عام فہم زبان بولنے پر شاید وہ قادر نہیں تھے۔ علما کے لیے ان کا لوح وقلم اور زبان و بیان بلاشبہ نعمتِ عظمیٰ تھا۔ ان کے ساتھ وہ شعروسخن کے بھی رمز آشنا تھے۔ ان کی یہ خوبی خدمات کے دوسرے ہجوموں میں کھوگئی۔

۱۹۶۸ء میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب علیہ الرحمہ مع اہلیہ سفرِ حج سے واپس آئے تو مولانا مرحوم نے ایک طویل نظم ان کے خیر مقدم میں لکھی۔ کیا تسلسل ہے! کیا فدائیت ہے! ان کی کچھ نظمیں اب بھی محفوظ ہیں۔

ایوارڈ واعزازات

شخصیت عظیم ہو اور مقبولیت بھی ہم رکاب ہو تو ایوارڈ واعزازات بھی اس کے پیچھے دوڑتے ہیں۔ چنانچہ مولانا بھی اعزازات سے سرفراز ہوتے رہے۔ ایک بڑا ایوارڈ ''حضرت نانوتویؒ ایوارڈ'' ہے، جو انہیں ترکی میں متعدد ممالک کی باوقار موجودگی میں دیا گیا۔ اس ایوارڈ سے حلقۂ دیوبند میں بے پناہ مسرت دیکھی گئی۔ تقریب کے بعد دیوبند آئے تو جگہ جگہ ان کو استقبالیہ دیا گیا۔ ایک استقبالیہ دیوبند کے ''شیخ الہند ہال'' میں بھی دیا گیا، جس میں مجھے بھی اظہارِ خیال کا موقع ملا تھا۔ اس کے علاوہ نہ جانے اور کتنے اعزازات ان کے دامنِ کمالات میں آ آ کر گرتے رہے۔

جامعہ امام محمد انور شاہ، دیوبند سے محبت

مرحوم، فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیریؒ کے یارِ غار تھے۔ دارالعلوم سے لے کر دارالعلوم وقف تک آٹھ دہائیوں پر مشتمل ایک طویل رفاقت رہی۔ امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کی گود میں بھی کھیل چکے تھے۔ اسی قدیم ترین مراسم کا نتیجہ تھا کہ جامعہ امام محمد انور شاہ، دیوبند قائم ہوا تو اس سے بھی محبت کرتے۔ یہاں تشریف فرما ہوتے، مشورے دیتے، اس کی ترقیات سے خوش ہوتے، دعاؤں سے نوازتے۔ زبانِ دیوبند حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ کشمیری دام ظلہم پر ان کی بڑی نظرِ عنایت رہی۔

ولكنه بنيان قوم تهدما

حضرت ہمارے درمیان سے اٹھ گئے۔ عمرِ مبارک ۹۲ سال ہوئی، ایسی طویل عمر اور صلاحیت و صالحیت کے ساتھ الا ماشاء اللہ ہی کسی کے نصیبے میں آتی ہے، وہ چلے گئے تو فضا سوگوار ہے۔ دیوبند پر سونا سونا لگ رہا ہے، رنج و غم اور شدید الم ہر کسی کے چہرے سے ہویدا۔ کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ یہ ایک شخص نہیں، شخصیت بلکہ عالَم کی موت ہے، آج تو ہر رونے والی آنکھ اور ہر مغموم دل یہی کہہ رہا ہے:

وما كان قيس هلكه هلك واحد

ولكنه بنيان قوم تهدما

نماز جنازہ رات دس بجے ہوئی، ان کے فرزند حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند نے امامت کی۔ اس کے بعد علومِ نانوتویؒ کا یہ امین، فکرِ قاسمی کا یہ ترجمان اور سرمایۂ ملت کا یہ نگہبان شیدائیوں کے کاندھے پر سوار اپنے آباء کے گہوارے میں سو گیا۔

رہے نام اللہ کا

❀ .... ❀ .... ❀

جامعہ کی سرگرمیاں

مولانا فضیل احمد ناصری
استاذ حدیث ونائب ناظم تعلیمات

سالانہ امتحان کا انعقاد

ماہِ شعبان دینی مدارس میں تعلیمی سال کا آخری مہینہ مانا جاتا ہے۔اس ماہ میں حسبِ روایت سالانہ امتحان ہوتا ہے اوراس کے بعد ایک طویل چھٹی ۔ جامعہ میں اعدادیہ سے عربی سوم تک کی ہر جماعت کے سال میں چھ امتحانات ہوتے ہیں، چار ماہانہ اور دو کلاں ۔ ان میں سے پانچ امتحانات میں کامیابی اور ناکامی،طلبہ کی بندش واجرائے طعام میں مؤثر ہوتی ہے، جب کہ سالانہ امتحان میں کامیابی سے درجے میں بلندی اورناکامی سے اعادۂ سال کا جاں گسل مرحلہ درپیش ہوتا ہے۔

جامعہ کا سالانہ امتحان ہمیشہ کی طرح مثالی اور معیاری ہوتا ہے۔اس میں دارالعلوم اور دارالعلوم وقف سمیت دیوبند واطراف دیوبند کے ممتاز اساتذہ کو مدعو کیا جاتا ہے۔ یہ اساتذہ طلبہ کا ہمہ پہلو جائزہ لے کر مناسب اور مفید مشوروں سے جامعہ کی تعلیمی ترقیات کا اہم ترین حصہ بنتے ہیں۔رواں سالانہ امتحان کے لئے بھی ان ماہرین مدرسین کو مدعو کیا گیا ہے، جنہوں نے معیاری پرچہ سازی، غائرانہ جانچ اور جامع سوالات سے طلبہ کی کارکردگی پر واضح روشنی ڈالی۔ جامعہ کی تعلیمی نگراں جمعیت ''مجلس تعلیمی'' کے فیصلے کے مطابق محترم جناب مولانا صغیر احمد پرتاپ گڑھی زید مجدہم اور محترم جناب مولانا ابوطلحہ اعظمی صاحب زید مجدہم اساتذۂ جامعہ کو بالترتیب ناظم اورنائب ناظم نامزد کیا گیا تھا،ان دونوں نے اپنے فرائض بحسن وخوبی انجام دیئے۔

ختم بخاری شریف کا عظیم اجتماع

ہرسال کی طرح رواں شعبان (شب براءت) میں بھی بخاری میں ختم بخاری شریف کا عظیم اجتماع

منعقد ہوا، جس میں جانشین فخر المحدثین، حفید الانور، رئیس الجامعہ شیخ الحدیث حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری دامت برکاتہم نے بخاری شریف کی آخری حدیث کا درس دیا۔ آپ نے اپنی اس طویل اور پُر موادتقریر میں **کلمتان حبیبتان الخ** پر مفصل، مدلل اور مکمل کلام فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ اس وقت احادیث کے لاتعداد ذخیرے دنیا میں موجود ہیں مگر امام بخاری کی یہ عظیم اور شاہکار کتاب جامعیت و انفرادیت میں اپنی مثال آپ ہے۔ اس کی پوری ترتیب ان کے محدّ ثانہ، متکلمانہ، داعیانہ اور فقیہانہ مزاج کا آئینہ دار ہے۔ امام بخاریؒ کی خصوصیت یہ ہے کہ اپنے قارئین کو قدم قدم پر ایک تعلیم دیتے نظر آتے ہیں اور انہوں نے پوری سیرت اور اسلامی معاشرت کو بھر پور پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ پہلی ہی حدیث: **انما الاعمال بالنیات الخ** لاکر اخلاصِ نیت کی اہمیت پر بھر پور روشنی ڈال دی کہ جس عمل میں اخلاص نہیں ہوتا اللہ کے ہاں کوڑی برابر بھی اس کا بھاؤ نہیں ہو، چھوٹے سے چھوٹا عمل اخلاص سے بڑا اور بڑے سے بڑا عمل ریاکاری سے کالعدم بلکہ وبالِ جان ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس لئے امام بخاریؒ نے پہلی ہی حدیث سے اپنے مستفیدین کو اشارہ کر دیا کہ ارشاداتِ پیغمبر ﷺ آپ میں اسلامی انقلاب اسی وقت پیدا کریں گے جب آپ اخلاص نیت کو اپنا حرزِ جاں بنائیں۔ یہ بھی پیش نظر رہے کہ جب مجلس لگتی ہے تو اس میں نادانستہ طور پر غیر اسلامی بحثیں بھی چل پڑتی ہیں جن سے حبطِ اعمال کا خطرہ رہتا ہے، اسی لئے اختتام مجلس پر دعا رکھی گئی جو کفارۂ مجلس کا کام کرتی ہے۔ احادیث کا پڑھنے والا گویا پیغمبر علیہ السلام کی مجلس میں ہے اور وہ براہِ راست آپ علیہ السلام سے ہی استفادہ کر رہا ہے، اسی لئے ختم بخاری پر امام صاحب نے **کلمتان حبیبتان الخ** کو رکھا تاکہ مستفیدین مجلس کا کفارہ بھی پیش نظر رکھیں۔

حضرت شاہ صاحب مدظلہٗ نے مزید فرمایا کہ بخاری شریف حدیث کی ایک عام کتاب کی طرح نہیں ہے، مگر یہ اس قدر عظیم ہے کہ اس کا اندازہ لگانے کے لئے ماضی اور حال کی ورق گردانی کرنی پڑے گی۔ صرف عربی میں ہی اس کی لاتعداد شرحیں لکھی جاچکیں، جن میں فتح الباری، عمدۃ القاری اور ارشاد الباری وغیرہ قابل رشک شرحیں ہیں۔ ماضی قریب میں خاتم الفقہاء والمحدثین امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ الکشمیریؒ کی فیض الباری بھی آئی، جس کی عظمتِ شان مسلم ہے، تاہم دعوے سے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس نے بخاری شریف کا پورا حق ادا کر دیا ہے۔ امام بخاری اور ان کی کتاب کے حصے میں یہ مقبولیت کسبی نہیں، وہبی ہے۔ انہوں نے اپنے اخلاص اور حسنِ نیت سے ان مقامات بلند تک رسائی حاصل کی۔ امام صاحبؒ کی ایک شان یہ بھی ہے کہ وہ بیانِ حدیث کے ذیل میں تراجم ابواب کے ذریعے اپنے زمانے کے فرقۂ

ضالہ و باطلہ کا بہت ہی معقولیت کے ساتھ تعاقب کرتے ہیں۔اس طرح وہ گویا اپنے قارئین کو یہ سبق دیتے ہیں کہ پیغمبر علیہ السلام کے ہر سپہ سالار اور فوجی کو داعیانہ صفات کے ساتھ متکلمانہ صلاحیت سے بھی مالا مال ہونا چاہیئے۔خیال رہے کہ وہ باطل فرقے وقت کے ساتھ ختم نہیں ہوگئے بلکہ مکھوٹے بدل بدل کر ان کا وجود آج بھی ہے اور پہلے سے بہت زیادہ سنگین صورتوں میں۔لہٰذا آج ہمارے فضلائے مدارس پر ان کا علمی تعاقب بے حد ناگزیر ہے۔حضرت رئیس الجامعہ مدظلہٗ نے مزید فرمایا کہ ارتداد کا شیوع پہلے محض مباحث سے ہوتا تھا، مگر اب جدید دور میں فکری ارتداد کے فروغ کے لئے صرف کلامی تبادلہ ہی نہیں، بلکہ کشت وخوں بھی اس کا ایک اہم ہتھیار قرار پایا ہے۔اسی کا اثر ہے کہ پوری دنیا نامعقول جنگ میں دھکیل دی گئی۔یہاں قتل، وہاں قتل، یہاں حملہ، وہاں دھماکہ۔پوری کائنات میدانِ کارزار میں تبدیل ہوگئی۔برما کا سانحہ کون بھول سکتا ہے؟ وہاں روہنگیائی مسلمانوں کو جس طرح ذبح کیا گیا اور ان کے خون سے ہولی کھیلی گئی، ان کے تصور سے آج بھی کلیجہ خون ہوجاتا ہے۔برمی مسلمانوں کو ترکِ وطن پر مجبور ہونا پڑا، مگر کس مپرسی نے انہیں دیارِ غیر میں بھی چین سے رہنے نہ دیا۔آج بھی ان کی حالت زار ہمیں خون کے آنسو رلاتی ہے۔فلسطین ہمیشہ کی طرح سال بھر خونِ مسلماں سے لالہ زار رہا، کشتوں کے پشتے لگتے رہے۔بیت المقدس کی بازیابی اور فلسطین کی آزادی کے لئے فلسطینی مجاہدین کی قربانیاں آج بھی جاری ہیں۔ہم انہیں فراموش نہیں کرسکتے۔وہ پیغمبر علیہ السلام کے ارشادگرامی: **الجهاد ماضٍ الٰى يوم القيامة** کی عملی تفسیر ہیں، ان پر ہمیں فخر ہے۔ادھر شام میں جاری بربریت نے عالم اسلام کا سکون غارت کردیا۔الغوطہ میں مسلمانوں پر وہ حملے اور دھماکے ہوئے کہ الامان والحفیظ۔مردوں ہی کیا، خواتین اور بچوں کو بھی نہیں بخشا گیا۔چن چن کر انہیں شہید کیا گیا۔صرف ایک سال میں پانچ لاکھ شامی مسلمانوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔شامی صدر بشار الاسد کی بےشرمی دیکھئے، وہ اپنی بہیمیت پر ڈٹا رہا اور اس کی درندگی ہر لمحہ شباب پر رہی۔کریلا اور نیم چڑھا یہ کہ اس ظالم حکومت نے کیمیائی حملے سے بھی دریغ نہیں کیا۔اس وقت شام ساری باطل قوتوں کی آماجگاہ ہے۔امریکہ، فرانس، روس، ایران اور دوسرے ممالک اپنے اپنے مفادات کی جنگ لڑ رہے ہیں اور عالم اسلام بےبسی کی تصویر بنا یہ خونیں نظارے دیکھ رہا ہے۔افغانستان کے قندوز میں ایک مدرسے پر ڈرون سے حملہ کردیا گیا، جس میں سینکڑوں حفاظ شہید ہوگئے، یہاں دستار بندی کی تقریب جاری تھی کہ اچانک ان حفاظ تک فرشتۂ اجل آ پہنچا۔خبر پڑھ کر روح کانپ گئی، تصویریں دیکھ کر دل تڑپ اٹھا کہ خدایا! یہ باطل طاقتیں کیا کیا ستم ڈھا رہی ہیں۔ستم ظریفوں نے معصوموں کو بھی دہشت گرد بنا ڈالا۔غضب بالائے غضب

یہ کہ اقوامِ متحدہ کے لب تک نہ ہلے۔ دور کیوں جایئے! خود ہمارا ہندوستان آئے دن درندگی کی نئی تاریخیں رقم کرر ہا ہے۔ قتل وغارت، عقوبت خانے اور رکیک و بدترین الزامات مسلمانوں پر لگ رہے ہیں۔ سفر تک محفوظ نہیں۔ جان اور مال ہر وقت خطرے میں، خواتین ہی کیا، بچیوں کی عصمتیں تک بلوائیوں کے نشانے پر ہیں۔ انارکی ایسی کہ عدالتی نظام بھی مشکوک بنا دیا گیا۔ بے گناہ پکڑے جا رہے ہیں اور گناہ گار بری ہو رہے ہیں۔

اس موقع پر احقر فضیل احمد ناصری نے متعدد جوڑوں کا نکاح پڑھایا۔ درسِ بخاری سے قبل اساتذۂ جامعہ نے حالاتِ حاضرہ پر بیش قیمت تقریریں بھی کیں۔ حضرت رئیس الجامعہ مدظلہٗ کی پرسوز دعاء پر تقریب اختتام پذیر ہوئی۔ اجلاس کی نظامت احقر نے کی۔

اساتذۂ جامعہ کی اجلاسات میں شرکت

مدرسہ مدینۃ العلوم سروٹ، مظفرنگر کے سالانہ اجلاس میں جامعہ کے استاذ حدیث مولانا صغیر احمد صاحب تشریف لے گئے۔ انہوں نے انسانوں کے مقصدِ تخلیق پر پُر مغز تقریر کی۔ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مقدس میں کہا ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ انسان اور جن کی تخلیق میں نے صرف اپنی عبادت کے لئے کی ہے۔ گویا انسان کی آمد خورد و نوش اور لہو ولعب کے لئے نہیں بلکہ احکامِ الٰہی کی بجا آوری کے لئے ہوئی ہے۔ پیغمبر ﷺ اپنی پوری حیات طیبہ میں اسی مقصدِ تخلیق کی عملی تفسیر کر کے صحابہ کرامؓ کی تربیت فرماتے رہے۔ ادھر جامعۃ السعادۃ کیرانہ کے مسابقۂ خطابت میں محترم مولانا صغیر احمد صاحب اور محترم مولانا نثار خالد صاحب اساتذۂ جامعہ ہذا میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے۔ مسابقہ دو نشستوں میں ہوا، جن کی صدارت محترم جناب مولانا مفتی نثار خالد صاحب زید مجدہم نے کی۔ اس موقع پر ان اساتذۂ کرام کے تاثراتی بیانات بھی ہوئے، جن سے حاضرین وسامعین کو کافی کچھ استفادے کا موقع ملا۔

حضرت رئیس الجامعہ دامت برکاتہم کا سفر کانپور

۱۹؍اپریل کو رئیس الجامعہ حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ صاحب دامت برکاتہم کانپور کے سفر پر تشریف لے گئے، جہاں ایک مدرسہ کے ختم بخاری کے اجلاس سے آپ نے درسی خطاب فرمایا۔ آپ نے بخاری شریف کی آخری حدیث کا درس دیتے ہوئے عہد نو میں امت کی زبوں حالی پر جم کر روشنی ڈالی۔ آپ نے فرمایا کہ احادیث کے ذخیرے صرف پڑھنے کے لئے نہیں بلکہ اپنی زندگی میں اتارنے کے لئے ہیں۔ امت کی سب سے بڑی پریشانی یہ ہے کہ اس نے یہود ونصاریٰ کی تقلید میں اپنے پیغمبر کے طریقے کو چھوڑ دیا، نتیجتاً آج اس کا کوئی پرسانِ

حال نہیں۔ مسلمانوں کو اپنی عظمتِ رفتہ کی بازیابی کے لئے انہیں خطوط پر چلنا پڑے گا، جن پر چل کر ہمارے اکابر واسلاف کامیاب ہوئے۔ ۲۱راپریل نلگنڈہ حیدرآباد میں بھی المعہد الاسلامی مدرسہ حضرت خدیجہ نواں میں تکمیل بخاری شریف کے موقع پر ایک عظیم الشان جلسہ سے خطاب فرمایا اور بخاری شریف کی تکمیل کرائی۔

احقر فضیل احمد ناصری کا سفر بہار

۵راپریل کو احقر نے محترم جناب مولانا حکیم سید افضل حسین قاسمی زید مجدہم کی دعوت پر بہار کا سفر کیا، یہ سفر ایک دینی تقریب کے پیش نظر تھا۔ اس سفر میں احقر نے متعدد علمی شخصیات و جامعات کی زیارت کی اور افادہ واستفادہ کا ایک طویل دور چلا۔ ہے سفر پانچ دنوں پر محیط رہا۔ ۱۰راپریل کو دیوبند واپسی ہوگئی۔

مدرسہ خادم العلوم باغوں والی میں بطور ممتحن مولانا عبدالرشید صاحب کی شرکت

جامعہ کے قدیم استاذ، محترم جناب مولانا عبدالرشید صاحب بستوی زید مجدہم استاذ حدیث جامعہ ہٰذا بحیثیت ممتحن مدرسہ خادم العلوم باغوں والی تشریف لے گئے۔ اس موقع پر انہوں نے طلبہ سے خطاب بھی کیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ علم دین ایک سمندر ہے، اسے حاصل کرنے کے لئے شدید طلب پیدا کرنی پڑتی ہے۔ بے طلب یہ علم کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔ انہوں نے کہا کہ اپنے اوقات کی قیمت جانیں، یہی وقت آپ کی شخصیت سازی میں مثبت یا منفی کردار ادا کرے گا۔ خود کو مفید بنانے کے لئے اکابر کی زندگی کو نقشِ راہ بنائیں۔

سالانہ تعطیل کا اعلان

امتحانِ سالانہ کے کامیاب انعقاد اور اختتام کے ساتھ ہی عام تعطیل کا اعلان کر دیا گیا۔ یہ تعطیل ۱۸رشعبان المعظم سے ۱۰رشوال المکرّم تک رہے گی۔ قدیم طلبہ کا ۱۰رشوال تک آجانا ضروری ہے، جب کہ جدید داخلے کی کارروائیاں ۵رشوال سے شروع ہوجائیں گی۔ تعطیل کلاں کے پیش نظر طلبہ کے لئے تربیتی نشست بھی رکھی گئی، جس میں انہیں آدابِ سفر اور زندگی گزارنے کے سلیقے کی رہنمائی کی گئی۔ احقر فضیل احمد ناصری نے طلبہ سے کہا کہ جامعہ کا تعارف آپ ہی ہیں۔ آپ کی حرکات وسکنات عوام وخواص کے لئے باعثِ رشک ہیں۔ احقر نے سفر کے آداب پر بھی روشنی ڈالی اور کہا کہ حالات اچھے نہیں ہیں، سفر کرنا بے حد دشوار ہے، دشمنانِ اسلام آپ کو اشتعال دلانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے، آپ حکمت ومصلحت سے اپنا سفر جاری رکھیں۔ اشتعال انگیز گفتگو کے جواب میں اشتعال ہرگز نہ کریں۔

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب کی وفات پر تعزیتی اجلاس

۱۴ر اپریل کو حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب صدر مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند کی وفات حسرت آیات کا سانحہ پیش آیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت مرحوم حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے پرپوتے، حضرت مولانا حافظ احمد نانوتویؒ کے پوتے اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے فرزند اکبر تھے۔ جنوری ۱۹۲۶ء میں ولادت ہوئی، تعلیم سے لے کر تدریس واہتمام تک کا سارا زمانہ دارالعلوم اور دارالعلوم وقف میں گزارا۔ تقریر وخطابت میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ ''خطیب الاسلام'' سے ملقب ہوئے۔ تحریر و انشاء پردازی بھی قابل رشک تھی، کئی علمی اور تحقیقی کتابیں ان کے آبشار قلم سے آئیں۔ بہت سے مدارس کے سرپرست، تنظیموں کے ذمے دار اور دیوبندی برادری کی آبرو تھے۔ ان کی وفات سے اسلاف کی روایات کا ایک زریں باب بند ہوگیا۔ وفات کی خبر جوں ہی جامعہ میں آئی تعلیم موقوف کرکے قرآن کریم پڑھ کر ایصالِ ثواب کیا گیا۔ بعد ازاں تعزیتی اجلاس بھی حضرت رئیس الجامعہ مدظلہٗ کی صدارت میں منعقد ہوا، جس سے حضرت رئیس الجامعہ سمیت دیگر اساتذہ نے بھی خطاب کیا۔

حضرت رئیس الجامعہ مدظلہٗ نے فرمایا کہ حضرت خطیب السلام کی وفات سے ایک بار پھر میں یتیم ہوگیا، وہ میرے لئے سایۂ رحمت تھے۔ مرحوم کی پوری حیات حق گوئی اور خداوند قدوس کی رضا جوئی میں گزری۔ وہ علوم نانوتویؒ کے وارث، قضائے احمدی کے پاسباں اور خطابت طیبی کے امین تھے۔ وہ اسلاف کی روایات کی چلتی پھرتی تصویر تھے، خانوادۂ انوری کے دل سے قدرداں تھے۔ فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیریؒ بانی جامعہ کے بچپن، جوانی اور بڑھاپے کے دوست تھے۔ ایک دوسرے کے ہم خیال اور ہم آواز۔ یہ رفاقت دارالعلوم میں بھی مثالی رہی اور قیام وقف دارالعلوم کے بعد تو اس نے نئے ریکارڈ قائم کردیئے۔ جامعہ کے استاذ حدیث مولانا صغیر احمد صاحب نے کہا کہ حضرت خطیب الاسلامؒ اپنی بات کو معقولی انداز میں پیش کرنے میں طاق تھے۔ انہوں نے ہر موقع پر اپنی بات رکھی اور سب کو قائل کرکے چھوڑا۔ ان کی آراء نہایت اہمیت کی حامل ہوتیں، ان کے انتقال سے ایک بڑا خلا پیدا ہوگیا ہے، جس کا پر ہونا بظاہر مشکل ہے۔ احقر فضیل احمد ناصری نے اپنی تقریر میں کہا کہ بزرگانہ اداؤں اور علمی گہرائیوں کو دیکھ کر آپ سے محبت ہوجاتی، وہ عظیم خانوادے کے عظیم فرزند تھے۔ وہ چلے گئے مگر ہمارے دلوں میں زندہ رہیں گے، ان کی یادوں کی قندیلیں ہمیشہ روشن رہیں گی۔ زمانہ اب ان کی شخصیت کو سدا کے لئے روئے گا۔ اللہ ان کی مغفرت کاملہ فرمائے۔

❁ ………… ❁ ………… ❁

نقد و نظر

مبصر: فضیل احمد ناصری

نام کتاب : **المعتَصَر** (من آ ثار السنن واعلاء السنن)

مرتب : مولانا عارف جمیل مبارک پوری صاحب، استاذ دار العلوم دیوبند

صفحات : ۴۱۶ قیمت: درج نہیں

ناشر : مکتبہ علمیہ، دیوبند

اسلام ایک ہمہ گیر اور کامل و مکمل مذہب ہے۔ اس میں انسانی زندگی کے لئے ہر چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے مسئلے پر واضح رہنمائی موجود ہے۔ قرآن کریم کے بارے میں تو کہنے والوں نے یہاں تک کہا ہے:

جمیع العلم فی القرآن لکن

تقاصر عنه افهام الرجال

خود قرآن نے اپنی زبانی اعلان کیا ہے: **تِبْیَان کل شیء** رہیں احادیث مبارکہ، تو وہ قرآن کی تفسیر ہی ہیں۔ کسی وجہ سے پیغمبر علیہ السلام سے کسی مسئلے پر رہنمائی نہیں ملتی یا ملتی تو ہے مگر دھندلی سی، تو امت کے اربابِ فقہ و بصیرت نے اسے روشن کر دیا۔ اسی کو اجماع کہتے ہیں۔ اگر یہ تینوں مآخذ کسی مسئلے پر خاموش ہوں تو پیغمبر علیہ السلام ہی کی ہدایت پر ''باب القیاس'' رکھا گیا ہے۔ یہ چاروں مآخذ ''ادلۂ اربعہ'' کہلاتے ہیں۔

اس وقت اسلامی دنیا میں چار مکاتبِ فقہیہ رائج ہیں اور مدت ہائے دراز سے۔ حنابلہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنفیہ۔ عالم اسلام کا اکثر حصہ احناف پر مشتمل ہے۔ یہ مسلک قرآن و حدیث اور مزاج اسلام سے بہت زیادہ ہم آہنگ ہے۔ بعض کور نگاہوں میں مسلکِ حنفیہ ہمیشہ کھٹکتا رہا اور نصوص کے مقابلے میں قیاس کی ترجیح کا الزام لگاتے رہے، لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا وسائلِ علم عام ہوئے، نتیجہ یہ کہ احادیث کی ایسی کتابیں منظر عام پر آئیں جن میں حنفی نقطۂ نظر کو احادیث سے ثابت کیا گیا۔ امام طحاویؒ کی کتاب شرح معانی الآثار اس باب میں ایک نمایاں مقام رکھتی ہے۔ بعد کے ادوار میں ہندوستان کے عظیم محدث علامہ

شوق نیموی بہاریؒ نے آثار السنن کے نام سے ایک شاندار کتاب ترتیب دی، جو بدقسمتی سے کتاب الجنائز سے آگے نہ بڑھ سکی۔ امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ ان دونوں کتابوں کی بڑی پذیرائی کرتے بلکہ اول الذکر کی ناقدری کا شکوہ بھی کرتے۔ اس کے بعد حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ایماء پر ان کے بھانجے محدث کبیر مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے ''اعلاء السنن'' کے نام سے احناف کے فقہی مسلک کی ترتیب پر احادیث کا ایک عظیم الشان ذخیرہ تیار کردیا جو کئی جلدوں میں شائع ہوا۔ یہ کتاب علمی دنیا میں ہاتھوں ہاتھ لی گئی اور علم نواز ہر شخص نے اس کی اہمیت وافادیت پر اپنی تائید ثبت کی۔ یہ کتاب آج تک اپنے موضوع پر سب سے جامع اور حاوی کتاب ہے۔ صاحب نظر احناف اس سے مستغنی نہیں ہوسکتے۔

لیکن یہ کتاب کئی جلدوں میں ہے، اس لئے ہر ایک کی رسائی وہاں تک ممکن نہیں، پھر یہ کہ اس میں ایک ہی موضوع پر تمام احادیث کا ہر ممکن احاطہ ہوا ہے، لہٰذا اس میں بوئے تکرار بھی ہے۔ ضرورت تھی کہ کوئی صاحبِ نظر اس کی تلخیص کرے، چنانچہ زیرتبصرہ کتاب ترتیب دی گئی ہے۔ اس میں کتاب الطہارت سے لے کر باب الحیل تک ۵۱؍موضوعات پر احادیث کا نایاب ذخیرہ جمع کیا گیا ہے۔ ہر کتاب کے ذیل میں متعدد ابواب ہیں اور ہر باب میں قابل احتجاج حدیثیں۔ اعلاء السنن کی تلخیص کے علاوہ اس میں شامل احادیث کی تخریج بھی ہے اور تنقیح بھی۔ مزید برآں آثار السنن کی تلخیص بھی شریک کتاب ہے۔

کتاب کے مرتب محترم جناب مولانا عارف جمیل مبارک پوری صاحب ہیں، جو دارالعلوم دیوبند کے مؤقر استاذ اور عربی ماہنامہ ''الداعی'' کے ذمے دار ہیں۔ ان کی یہ کتاب جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں طالب علمی میں قیام کے دوران آئی ہے۔ پیش کش زبردست، پرکشش اور دلچسپ ہے، ہر اہل علم ونظر کے لئے تحفہ اور گراں قدر ہدیہ ہے۔ اساتذۂ فقہ اس سے بھرپور فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

ادارہ ''محدّثِ عصر'' ان کی اس پیش کش پر ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہے۔

❁ .... ❁ .... ❁

نام کتاب : ربنا

مرتب : عبدالرحمٰن کوندو (کشمیر)

صفحات : ۱۱۲ قیمت : ۵۰؍روپئے

ناشر : جموں اینڈ کشمیر اسلامک ریسرچ سینٹر

انسان جب تک دنیا میں ہے، مشکلات بھی وقتاً فوقتاً اس کا تعاقب کرتی ہیں، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ایک

شخص دنیا میں بھی ہو اور زندگی کے سارے لمحات اس کی خواہشات کے مطابق گزریں۔ مسلمانوں کو تو پیغمبر اسلام نے یہ کہہ کر سمجھا دیا ہے: **الدنیا سجن المؤمن و جنة الکافر** یعنی یہ عالمِ آب وگل اہلِ ایمان کے لئے عقوبت خانہ ہے۔ مسلمانوں کا اصلی گھر جنت ہے، سارا سکون واطمینان اسے وہیں ملے گا، یہاں تو قدم قدم پر آزمائشوں سے گزرنا ہے، سوال یہ ہے کہ ان احوال میں ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ تو اسلامی تعلیمات ہمیں بتاتی ہیں کہ ان مشکلات کے دفعیے کے لئے تدبیر انتظامات کے علاوہ دعاؤں کا بھی سہارا لینا چاہئے۔ یہ دعائیں مسلمانوں کا ہتھیار ہیں۔ قرآن واحادیث ان دعاؤں سے بھری پڑی ہیں۔ پیدائش سے لے کر موت بلکہ مابعد الموت کی دعائیں بھی ہمیں سکھائی گئی ہیں۔ دعاؤں کے بعد دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے اور بڑا اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

زیرِ نظر کتاب قرآن پاک کی ان چالیس دعاؤں کا مجموعہ ہے جن میں ربّنا کا لفظ آیا ہے۔ ربنا کے معنی ہیں: اے پالنہار! جب بندہ لجاجت اور آہ وزاری سے ''ربنا'' کہے گا تو رب العالمین اس کی پکار ضرور سنے گا۔

کتاب کے آغاز میں ''ربنا'' پر زوردار اور علمی بحث ہے، جسے مرتب نے متعدد حوالوں کے ساتھ اہل علم کے حلقے میں پیش کیا ہے۔ یہ بحث ۳۵ رصفحات تک پھیل گئی ہے اور کیا خوب!! مزید برآں تقریباً ہر دعا کا پس منظر بھی اختصاراً قلم بند کیا ہے۔ کتاب ''بقامت کہتر، بقیمت بہتر'' کی مصداق ہے۔ اس کے متعدد نسخے طبع ہو کر ختم ہو گئے، جس سے اس کی مقبولیت بھی خوب مترشح ہے۔

یہ کاوش ہے محترم جناب عبدالرحمٰن کوندو صاحب کی، جو علم وتحقیق کے رسیا اور لوح وقلم کے دلدادہ ہیں، ان کے گوہر بار قلم سے ابتک درج سے زیادہ کتابیں شائع ہو کر قبولِ عام کی سند لے چکی ہیں۔ امید ہے کہ یہ ایڈیشن بھی حسبِ سابق سراہا جائے گا۔

❁ .... ❁ .... ❁

نماز کے اثرات : فنِ تصوف کا موضوع تہذیبِ نفس ہے یعنی نفس کے رذائل زائل ہوں اور فضائل حاصل ہوں۔ نماز میں دو چیزیں سامنے ہوتی ہیں ۱۔ نفس اور ۲۔ رب۔ نماز: جب نفس کی تحقیر وتذلیل کرتی ہے تو وہ مرجاتا ہے اور اس کے آثار بھی مٹ جاتے ہیں اور رب کی عظمت مطلقہ نماز سامنے کر دیتی ہے تو عنایاتِ رب متوجہ ہوتی ہیں اور وہ اپنے فضائل سے نوازتا ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ نماز تہذیب اور اصلاح نفس کے لئے افضل ترین مجاہدہ اور اعلیٰ ترین ذریعہ ہے۔ (جواہر حکمت، ص: ۲۱۰)

اہل خیر حضرات کی خدمت میں

رمضان المبارک ۱۴۳۹ھ مطابق مئی رجون ۲۰۱۸ء میں جامعہ کے لیے مالی تعاون حاصل کرنے کی غرض سے جن اساتذہ ومحصلین کو جس شہر یا علاقہ میں بھیجا جا رہا ہے، اُس کی تفصیل ذیل میں دی جا رہی ہے: اہل خیر حضرات سے تعاون کی درخواست ہے۔

نوٹ : رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ مطابق جولائی راگست ۲۰۱۳ء سے نئے ڈیزائن ونمبرنگ کے ساتھ رنگین رسیدات کا اجراء کیا گیا ہے، اس لیے تمام سابقہ رسیدات منسوخ سمجھی جائیں۔

۱	محترم جناب مولانا عبدالرشید صاحب راستاذ حدیث 09634506041 ممبئی
۲	محترم جناب مولانا شیث احمد صاحب راستاذ حدیث 09897406800 مہاراشٹر
۳	محترم جناب مولانا مفتی نثار خالد صاحب راستاذ حدیث 07895070594-07037668071 کلکتہ
۴	محترم جناب مولانا فضیل احمد صاحب ناصری راستاذ حدیث 08881347125 ممبئی
۵	محترم جناب مولانا محمد ابوطلحہ صاحب راستاذ تفسیر وفقہ 09997504588 جموں وکشمیر رمہاراشٹر ربنگلور رمدراس ربڑودہ
۶	جناب ذکی انجم صدیقی صاحب رہیڈ کلرک 09058839273 دیوبند رمظفرنگر
۷	جناب مولوی محمد امین صاحب رمحصل شعبہ 08979399192-09018249398 جموں وکشمیر رپنجاب رراجستھان
۸	جناب مولوی عشرت اللہ صاحب رمحصل شعبہ 07275869794 مشرقی اترپردیش
۹	جناب مولوی محمد حنیف رمحصل شعبہ 098088088003 بھروچ رسورت رانکلیشور رآنند رمرادآباد رمیرٹھ رباغپت
۱۰	جناب مولوی محمد لقمان صاحب رمحصل شعبہ 08650959864-07840042786 دہلی رپونہ راتراکھنڈ راحمدآباد رگودھرا رآندھراپردیش رتلنگانہ رکرناٹک رتامل ناڈو

. جامعہ امام محمد انور شاہ کا تفصیلی تعارف ردستور نامہ رنصاب تعلیم اور ماہنامہ محدّث عصر وغیرہ Jamia Imam Muhammad Anwar Shah کے فیس بک پیج پر دستیاب ہے۔

❀ .... ❀ .... ❀

Monthly MUHADDIS-E-ASR Deoband

Register from Registrar of Newspapers for India U.P. URD.2000/R.N.10663

Contact: (Off) 01336-220471, Mob. +91 8006075484

Email: ahmadanzarshah@gmail.com

Printed & Published by Syed Ahmad Khizar Shah,
Mohtamim of behalf of JIMAS, Behind Eidgah, DBD
and Printed at Mukhtar Press, Samreen Printers, Deoband

جامعہ کی مرکزی عمارت ''انور ہال'' اور مسجد انور شاہ پر مشتمل شاندار منظر

مسجد انور شاہ

کتب خانہ

دارالاقامہ کا اندرونی منظر

دارالاقامہ کا بیرونی منظر

Jamia Imam Mohammad Anwar Shah

A/c No. 520101265117956

Corporation Bank Deoband, IFSC Code: CORP0000786